دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

انیسوین جلد،

از

جنوری سنہ ۱۹۲۷ء تا جون سنہ ۱۹۲۷ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی،

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد نوزدہم جنوری ۱۹۲۷ء، جون ۱۹۲۷ء،

بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست مضامین

جلد نوزدہم، جنوری سنہ ۱۹۲۷ء، جون سنہ ۱۹۲۷ء

معارف کی پچھلی جلدین

معارف ۲۳ و ۲۶ کی مکمل جلدین موجود ہین، ۲۵ مین ستمبر و اپریل کے علاوہ تمام پرچے موجود ہین، اسی طرح اور جلدون کے بھی متفرق پرچے اب رہ گئے ہین، جن اصحاب کو ضرورت ہو منگا سکتے ہین، قیمت فی جلد صر فی پرچہ ۸/

"منیجر"

مجلد نوزدہم	ماہ جمادی الثانی و رجب ۱۳۴۵ھ مطابق جنوری ۱۹۲۷ء	عدد اوّل

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

یہ انگریزی سال کا نیا مہینہ ہے، سال نو کی آمد پر خوش ہونا اس ظاہری دنیا کے رسم و رواج میں داخل ہے، ہم بھی اس رسم و رواج کے مطابق خوش ہیں کہ ہم نے زندگی کا ایک اور سال پایا، معارف کا پہلا پرچہ رمضان سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق جولائی ۱۹۱۶ء میں شایع ہوا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب دنیا میں جنگ و جدل کے شرارے اڑ رہے تھے، کاغذ کی گرانی اور سامان طبع کی نایابی نے پرانے پرانے مطبعوں کے دیوالے نکال دیئے تھے، لیکن معارف نے پوری دلیری سے ان مشکلات کا مقابلہ کیا، اور کامیابی حاصل کی،

معارف کی عمر کا یہ بارھواں سال ہے، بارہ سال کا زمانہ کوئی بڑی مدت نہیں ہے، تاہم ان بارہ برسون مین اردو رسائل کی دنیا مین کافی انقلاب اور تغیر ہو گیا ہے، معارف جب نکلا تھا تو زمانہ (کانپور) الناظر (لکھنو) نقاد (آگرہ) اور مخزن (لاہور) کے سوا کوئی قابل ذکر رسالہ موجود نہ تھا، اور ان مین سے الناظر کے سوا بقیہ تمام رسائل کا سرمایہ تمامتر ادبیات تھا، سنجیدہ، ٹھوس علمی اور محققانہ مضامین کی ملک مین نہ مانگ تھی نہ درآمد تھی، معارف اس غیر مطلوبہ سامان کو لیکر جب بازار مین آیا تو خلاف توقع قدر دانون نے اس کو پسند کیا اور ہاتھون ہاتھ لیا،

اردو مین رسائل کی تاریخ جب لکھی جائیگی تو اس کے چند دور بھی قرار دیئے جائینگے، ہماری رائے مین پہلا دور تہذیب الاخلاق سے معارف (علی گڈھ) تک ہوگا، دوسرا دور معارف (علی گڈھ) سے مخزن تک،

تیسرا الندوہ سے شروع ہوگا، اور چوتھے کا آغاز شاید معارف اعظم گڈھ سے ہوا، ان مین سے ہر دور کا رسالہ اپنے نمونہ پر متعدد رسالون اور صحیفون کے وجود کا باعث ہوا ہے، اب اس وقت بحمد اللہ ملک کے کئی گوشون سے اردو کے اچھے اچھے، اور مفید اور دلکش رسالے نکل رہے ہین اور نکلتے جاتے ہین، اور ادبیات اور خصوصاً ادب لطیف کی نعمتون سے اردو مالا مال ہو رہی ہے، اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے، یا ہو رہا ہے،

عین اسوقت جب ہم اردو رسالون کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال رہے ہین، اردو کا وہ سب سے پرانا رسالہ اور اس کا وہ اڈیٹر یاد آتا ہے جس نے سال کے آخری مہینہ کی آخری تاریخون مین ہماری دنیا کو الوداع کہا، یعنی مولانا عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی اڈیٹر دلگداز، مولانا ہمارے انشاپردازون مین سب سے پرانے اور کہنہ انشاپرداز تھے، ۶۷ برس کی عمر مین بعارضۂ فالج وفات پائی، مرحوم نے اپنی عزت اور شہرت تنہا خود اپنے قلم سے حاصل کی تھی، وہ اپنی شہرت کے لیے کسی اور نامور ہستی سے انتساب کے ممنون نہ تھے، انھون نے اپنے تمام معاصرین مین سب سے زیادہ اپنی زبان کی خدمت کی فرصت پائی، ہمارے خیال مین ۱۸۸۲ء سے انھون نے اپنے کام کا آغاز کیا، اور جو اخیر زمانۂ وفات دسمبر ۱۹۲۶ء تک قائم رہا، بیچ بیچ مین کبھی کبھی حیدرآباد کے قیام کی مصروفیتین پیش آجاتی تھین، تاہم ان کا تسلسل کبھی ٹوٹنے نہین پایا، ۴۴ برس کا عہد خدمت ان کے کسی معاصر کو میسر نہ آیا، پھر ان کے ادبی اور علمی خدمات کی گوناگونی، اور کثرت بھی ان کا خاص امتیاز ہے، اور یہ کہنا بھی سچ ہے کہ انھین کی تصنیفات نے اردو مین سیکڑون انشاپرداز پیدا کیے، اور ملک مین تاریخ کا مذاق پیدا کیا اور سنجیدہ تصنیفات کے لیے حسن قبول کا راستہ صاف کیا،

مولانا کا شرف نیاز ۱۹۰۳ء مین مجھے حاصل ہوا، اور یاد آتا ہے کہ وہ اس وقت حیدرآباد سے واپس آئے تھے، اور اتحاد اور پردۂ عصمت نکالنا شروع کیا تھا، وہ عربی زبان کے مستند عالم تھے، بچپن مین وہ اپنے نانا کے ساتھ واجد علی شاہ کے مٹیابرج مین رہے تھے، اور اس طرح جب ہوش سنبھالا تو اپنے کو سخنوران اردو کی آغوش مین

پایا، لکھنؤ آکر عربی علوم کی باقاعدہ تعلیم مولانا عبدالحی صاحب مرحوم فرنگی محلی کے حلقۂ درس مین پائی تھی، اور حدیث کی تعلیم دہلی جاکر مولانا سید نذیر حسین محدث سے حاصل کی تھی، اسی لیے مولانا کا میلان زیادہ تر اہل حدیث کے مسلک کی طرف تھا، اور عقائد مین سخت اور غالی اشعری تھے، اور امام ابوالحسن اشعری سے ان کو خاص عقیدت تھی، عربی کیساتھ ان کو انگریزی سے بھی واقفیت تھی، اور کسی قدر فرنچ سے بھی آشنا تھے، یورپ کی بھی سیر کر آئے تھے، واپسی مین جب وہ جبرالٹر (جبل طارق) سے گذرے ہین تو مسلمان مورخ کی آنکھون کے سامنے اندلس (اسپین) کی تصویر کھینچ گئی، وطن پہنچکر سب سے پہلے اسکی یاد مین آنسو گرائے، اور اسپین پر ایک پر درد مضمون لکھا، جو اس زمانہ مین بہت مقبول ہوا تھا

بظاہر وہ صرف ایک ناولسٹ یا افسانہ نگار تھے، اور اسی حیثیت سے لوگ ان کو زیادہ تر جانتے ہین، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ عربی علم ادب، محاضرات اور تاریخ کے بھی ماہر تھے، ان کے مضامین کا بڑا ماخذ اغانی کی ضخیم جلدین ہوتی تھین، اور وہ ان کو نہایت پسند تھین، وہ روایتون مین تنقید اور جانچ پرتال نہین کیا کرتے تھے، در حقیقت یہ ہے کہ انکو اپنے موضوع کے لحاظ سے اسکی ضرورت بھی نہ تھی، انکی تصنیفات مین منصور موہنا، درگیش نندنی، فتح اسپین، مقدس نازنین ملک العزیز ورجنا، فردوس برین، اور فلورا فلورنڈا مشہور ناول ہین، تاریخون مین تاریخ سندھ اور تاریخ سسلی، اور سوانحعمریون مین خاتم المرسلین، ابوبکر شبلی، جنید بغدادی، انکی مشہور تالیفات ہین، مرحوم گو شاعر تھے شرر تخلص تھا، مگر غیر مقفی اشعار کے نمونون کے علاوہ آغاز شباب کے بعد کبھی انھون نے اپنا کوئی کلام شائع نہین کیا، مولانا کا آخری علمی کارنامہ تاریخ اسلام ہے، جسکو وہ جامعۂ عثمانیہ کی فرمائش سے لکھ رہے تھے، اور کچھ حصے اس کے لکھ بھی چکے تھے،

مرحوم اخلاق کے لحاظ سے نہایت باوضع، خاکسار، پابند اوقات، اور ملنسار تھے، چھوٹون سے ملنے مین انکی عزت و تعظیم، اور ان کے کامون کی قدر شناسی مین کبھی کوتاہی نہین کرتے تھے، چوک مین منشی نثار حسین صاحب ایڈیٹر پیام یار اور خواجہ عشرت کی دکان پر انکی شام کی نشست انکی وضعداری کی دلیل تھی، ان کی کتابون کی بڑی

مانگ تھی، اور تمام مطبع والے بے پوچھے گچھے ان کی کتابین چھاپتے رہے، مگر انھون نے کبھی باز پرس نہ کی، مرحوم رات کو جاگ کر کام کرنے کے عادی تھے، اور رات کا کھانا ایک بجے کھاکر سوتے تھے، انکی موت نے شرر سے شروع ہونے والے عہد علمی کا خاتمہ کر دیا،

دلگداز جوان کا خاص رسالہ تھا جسمین وہ زیادہ تر تاریخی مضامین و قصص شائع کیا کرتے تھے، اس کا آخری نمبر جو ان کے قلم سے نکلا وہ دسمبر ۱۹۲۶ء کا ہے، یہ دلگداز کی چھبیسوین جلد کا آخری نمبر ہے، لیکن اسکی اشاعت کا زمانہ ۳۶ برس سے یقیناً زیادہ ہے، حیدرآباد کی اقامت کے زمانہ مین اسکی اشاعت مین ناغہ ہو ہو جاتا تھا، دلگداز کے علاوہ تین اور رسالے بھی اپنے نام سے انھون نے نکالے ہین، موجودہ پردہ کے خلاف **پردۂ عصمت** انھون نے نکالا، سب سے پہلے انھین نے مسلمانون مین ہندو مسلم اتحاد کی باقاعدہ تحریک کی اور اسکے لیے **اتحاد** نکالا، کچھ دنون کے لیے **تصوف** کا بھی ایک رسالہ نکالا تھا، جسکا نام اس وقت یاد نہین آتا، مہذب نام ایک اور صحیفہ نکالا تھا بہرحال وہ جو کچھ تھے، ہماری زبان کے نامور مصنف، ہندوستان کا فخر اور لکھنؤ کی آبرو تھے، ان کے فانی جسم نے مفارقت کی مگر ان کی ابدی زندگی انشاءاللہ ہمیشہ قائم اور باقی رہے گی،

ابھی شرر کے ماتم سے ہم فارغ نہین ہوئے تھے کہ نظم اردو کے پرانے استاد عظیم آباد کے مشہور باکمال شاعر میر علی محمد شاد کی موت کی خبر آئی، ۸، جنوری ۱۹۲۷ء کو غالباً ۸۲ برس کی عمر مین اپنے وطن عظیم آباد پٹنہ مین وفات پائی ساٹھ برس سے زیادہ کی مشق سخن تھی، لاکھون شعر ان کے نتائج فکر مین، میر اور انیس کے مقلد اور متبع تھے، اس دور مین وہ پورب مین زبان اردو کے تنہا استاد رہ گئے تھے، ہموطنی کے باوجود کبھی ان کی ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا، البتہ تحریری نیاز ایک مدت سے حاصل تھا، ادھر انکی علالت کا سلسلہ چند ماہ سے جاری تھا، کچھ دنون سے ہوش و حواس بھی بجا نہ تھے، تاہم یہ شعر برابر ورد زبان تھا،

آخر ہے عمر ضبق مین دل بھی ہے، جان بھی
مرزا نہ باش اختم ہے یہ امتحان بھی

مرحوم کی تصنیفات مین دیوان اور کلام منظوم کے علاوہ نوائے وطن وغیرہ نثر کتابین بھی ہین، مرحوم کا ایک طویل والانامہ بھی میرے پاس رکھا ہے، جسمین اپنی تصنیفات کی پوری کیفیت لکھی ہے، افسوس کہ انکا پورا کلام کوششون کے باوجود بھی یکجا ہو کر طبع نہ ہو سکا، جو کام کہ انکی غایت احتیاط کی بنا پر انکی زندگی مین نہ ہو سکا شاید اب ان کے مرنے کے بعد انجام کو پہنچ جائے، اپنے طرز کے وہ تنہا مالک تھے، اور زمانہ کا رنگ دیکھکر توقع نہین کہ اس طرز کا سخنور پھر پیدا ہو سکے،

،، دسمبر سنہ ۲۶ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار نظام صدر جلسہ تھے، ممدوح نے اس موقع پر جو دلگداز تقریر فرمائی، وہ حد درجہ موثر تھی، علیگڈہ کے جس علمی حجرہ (مولانا لطف اللہ صاحب کا مسکن) کی یاد انھون نے فرمائی جو گو بظاہر نہایت تنگ تھا تاہم اسکے فیض و برکات کے دریا کا پاٹ یمن سے بخارا تک وسیع تھا، وہ خواب تھا جو دیکھ چکے، اب تو ہماری درسگاہون کی تعمیری وسعت گو یمن سے بخارا تک ہو لیکن اسکی علمی تنگی اس حجرہ سے بھی کہین زیادہ ہوگی، پہل پہل رونق اور شان و شکوہ سب کچھ ہے، مگر روح کا فقدان ہے، مردہ لاش کو قاقم و سنجاف اوڑھاکر اسکی پر رونق اور پر شکوہ شکل و صورت مین ہم محو تماشا ہین،

تاہم یہ سنکر خوشی ہوئی کہ جامعہ عثمانیہ ترقی کے منازل طے کرتی جاتی ہے، اس کے دار التالیف و ترجمہ نے تین سو سے زیادہ کتابین جامعہ کے نصاب کے لیے تالیف اور ترجمہ کی ہین، برٹش گورنمنٹ نے بھی اسکی سند کو ایک حیثیت سے قبول کیا ہے، یورپ کی بعض یونیورسٹیون نے بھی اسکی اسناد کو تسلیم کیا ہے، اسکی انگریزی ادب کیساتھ

علوم و فنون کی مادری زبان مین تعلیم کی کامیاب کوشش اب ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیون کو بھی انقلاب پر مجبور کر رہی ہے، لکھنؤ یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی کے مقررین اسناد کی تقریرین اس متوقع انقلاب کی پیشینگوئی کر رہی ہین

مسلم یونیورسٹی کے جدید انتخاب نے کسی قدر انقلاب پیدا کیا ہے، صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کی جگہ پر نواب مزمل اللہ خان وائس چانسلر مقرر ہوئے ہین، بقیہ عہدہ دار اپنی جگہ پر ہین، صاحبزادہ صاحب اپنی طویل علالت کے سبب سے اپنے عہدہ کے فرائض انجام دینے سے گو ایک حد تک معذور رہے، مگر جیسا کہ ان کے شائع کردہ پمفلٹون سے واضح ہوتا ہے، انھون نے یونیورسٹی کی بے قاعدگیون کو درست کرنے مین خاصی کوشش کی، لیکن غالباً رفقائے کار کی ہمدردی اور اعانت ان کے شامل حال نہ ہو سکی اور یہی ان کی ناکامی کی بڑی وجہ ہے، نواب صاحب کا عہد دعا ہے کہ کشاکشون سے محفوظ رہے، اور اس تعلیمگاہ کی ترقی کا سامان پیدا کرے، وہ مشرقی الخیال ہین شاید کہ وہ مشرقی علوم کے ساتھ انصاف برت سکین، جدید انتخاب مین یونیورسٹی کورٹ مین علما، اور علوم مشرقیہ کے ماہرین مین سے نو نئے ارکان کا انتخاب عمل مین آیا ہے، جنمین سے ایک معارف کا ہیچ باطن و بلند بانگ اڈیٹر بھی ہے

دسمبر کے آخری ہفتہ مین اسلامی مجالس کے تمام سالانہ اجلاس دہلی مین منعقد ہوئے، تنظیم، تبلیغ، ایجوکیشنل کانفرنس، سود مند کانفرنس، مسلم لیگ، اردو کانفرنس، سب کے مراسم افتتاح عمل مین آئے، سنا ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے متعلق جو کچھ اتنے سالون سے کہا جا رہا تھا اسکا ارباب کانفرنس کو بھی اس سال کے اجلاس مین برای العین مشاہدہ ہوگیا، یعنی یہ کہ کانفرنس کا تبلیغی دور ختم ہوگیا، اور اب اسکی زندگی صرف علمی دور کیساتھ قائم رہ سکتی ہے، اسی خیال سے منتخب اشخاص کا ایک تعلیمی بورڈ جسکا ایک ممبر خود اڈیٹر معارف بھی بنایا گیا ہے، اسلیے قائم ہوا ہے کہ وہ مسلمانون کے تعلیمی مسائل پر غور کرے، اور اپنے نتائج و تحقیقات کو وقتاً فوقتاً شائع کرے، اور ان کو مناسب مشورون

اور تجویزون کی شکل مین تعلیمی انسٹیٹیوشنون اور حکام تعلیم کے سامنے پیش کرے، لیکن ہماری پیشینگوئی یہ ہے کہ نہ یہ بورڈ کبھی جمع ہوگا اور نہ کوئی کام کرے گا، کیونکہ ہم مین نہ کوئی ولولۂ عمل ہے، اور نہ کوئی ہماری منزل مقصود ہے، ہماری بیماری ڈاکٹرون کے اجتماع اور مشورون سے بہت آگے بڑھ گئی ہے، ۱۰ آدمیون کے بجائے ایک آدمی درکار ہے، ایک آدمی، جو سب کچھ اپنی غرض و مقصد پر فدا کرکے عملاً کچھ کر دکھائے،

اردو کی ترقی کے لیے ضرورت ہے کہ ملک کے بڑے بڑے شہرون سے لیکر چھوٹے چھوٹے گاؤن تک اردو کتب خانون کا جال بچھا دیا جائے ہندی کے حامی یہی کر رہے ہین، اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی ان کے لیے ہر طرح کفیل ہے، اردو کے حامیون کو ان سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے، اور مسرت ہے کہ لوگون مین اس کا احساس ہو رہا ہے، ریاست بھاولپور کے ایک مقام سنجر پور سے سید مبارک شاہ صاحب جیلانی مطلع کرتے ہین، کہ انھون نے وہان ایک جیلانی لائبریری قائم کی ہے، ایک ہزار روپیہ اس کے لیے جمع ہوا ہے، ہمین امید ہے کہ ریاست بھاولپور کے روشنخیال حکام ادھر توجہ فرمائین گے، اور اگر یہ کوئی چلتی ہوئی چیز ہے تو اسکی اعانت سے دریغ نہ فرمائین گے، کہ اس کا وجود خود ریاست کی نیکنامی کی بڑی دلیل ہوگی، شاہ صاحب نے اسکی خواہش کی ہے کہ مصنفین اور مؤلفین اپنی کتابین ہدیۃً کتبخانہ کو عنایت فرمائین، اگر اس مسلمان الحال طبقہ مین کوئی بلند ہمت ایسا ہو تو یقیناً اسکو اپنی فیاضی سے اس لائبریری کے کارکنون اور مشتاقون کو ممنون بنانا چاہیئے،

ڈاکٹر لینکر صاحب چیف ڈیٹر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا نے میرے نام ایک طویل خط لکھا ہے جسمین سوانح نبوی کے متعلق اپنے اس فیصلہ کی جو اخبارات مین شائع ہو چکا ہے اطلاع دی ہے اور ساتھ ہی یہ خواہش کی ہے کہ چونکہ اس انسائیکلوپیڈیا کے ترجمے ہندوستان کی دوسری زبانون مین ہو رہے ہین، اسلیے اسکے اردو ترجمہ کا کام دار المصنفین یا کوئی اردو کی انجمن اپنے ہاتھ مین لے، یہ خط اور اسپر گفتگو اور بحث ہم آیندہ نمبر کے لیے اٹھا رکھتے ہیں،

ساتھ ہی ناظرین کو یہ بھی خبر دینا چاہتے ہین کہ ہمارے فاضل دوست پروفیسر نواب علی ایم اے (بڑودہ کالج) نے انگریزی مین سرورِ عالم صلعم کے سوانح مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے رد اور تصحیح کے سلسلہ مین لکھنے شروع کیے ہین، اور اب تک اس کے چار جز لکھے جا چکے ہین،

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

دار المصنفین نے ایسے ارکان کے لیے قوم مین اپیل کی تھی جو عہ سالانہ ادا کرین، اسکے معاوضہ مین وہ اپنا ماہوار رسالہ معارف اور سال کی تمام مطبوعات انکی خدمت مین نذر کریگا، الحمد للہ کہ قوم کے متعدد افراد نے اس دعوت کو قبول کیا، اور اس وقت تک ۲۰ سے زیادہ ممبر بن چکے ہین، بعضون کے چندے وصول ہو چکے ہین، اور بعض نے بھیجنے کی اطلاع دی ہے، بعضون نے وی پی مانگے ہین، ہم کو امید ہے کہ ممبرون کی مطلوبہ تعداد بہت جلد پوری ہو جائے گی، شائقین علم کو چاہیئے کہ درخواستون کے بھیجنے مین جلدی کرین تاکہ معارف نئے سال سے مکمل ان کو مل سکے، اور کتابون کے پہلے اڈیشن کے چھپوانے مین انکی تعداد کا لحاظ رکھا جائے، آیندہ ہم اپنے تمام ممبرون کے نام شائع کرین گے جنھون نے علم کی آواز پر لبیک کہا ہے،

خطباتِ مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبویؐ کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اس کے نصف آرڈر آ چکے ہین، یہ اس لائق ہین، کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ،

"منیجر"

مقالات

پھر واقدی

امام زہری پر الزام

پروفیسر گولیم (درہم یونیورسٹی انگلینڈ)

کا خط

بنام اڈیٹر اسلامک ریویو دوکنگ

جناب من!

مین اسلامک ریویو کا باقاعدہ اور مستقل پڑھنے والا ہون، فاضل سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون[1] سے جو واقدی پر شائع ہوا ہی، مجھے نہایت دلچسپی ہوئی، کیا مین یہ درخواست کرسکتا ہون کہ آپ میرے اس خط کو مزید آگاہی کیلئے شائع کردین، جو چند ذیل سوالات پر مشتمل ہے،

اوّل وہ کیا اصول ہے جسکی بنا پر واقدی کی صداقت رد کیجاتی ہے، مہربانی کرکے مجھے یہ کہنے دیجئے کہ مین مذہبی گروہون کے اس حق کے خلاف نہیں جاتا کہ وہ ان تحریرون کو جو میرے نزدیک لائق قبول نہون مستند ماننے سے انکار کردین، بلکہ میرا مقصد وہ اصول جاننا چاہتا ہون جو کسی مصنف کے رد و قبول پر حاوی ہے، مین یقیناً جرح و تعدیل کے عظیم الشان لٹریچر، اور مناولہ وغیرہ کے مسائل سے واقف ہون، لیکن واقدی ایک مورخ تھا، دینیات کا مصنف (تھیالوجین) نہ تھا، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ نیک اور ولی نما بخاری کی موت سے ۶۰ سال پہلے وفات پاچکا تھا،

یہ بھی آپکے خیال سے دور رہا ہوگا کہ وہ سندین جو واقدی کی نسبت عموماً ظاہر کرتی ہین وہ اُنسے جرح کی تقیض کرتی ہین ایک نسل مقدم ہین،

[1] دیکھو معارف جنوری ۱۹۲۷ء جواب پروفیسر مارگولیتھ،

پھر آپکے فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ "ہمکو واقدی کو معتبر ثابت کرنے کیلئے ایک انشاپرداز، ایک جغرافیہ دان یا ایک مورخ کی شہادت منزل تک نہین پہنچا سکتی ہے" مگر سوال یہ ہے کہ کیون نہین پہنچا سکتی ہے، اور ہم کیون ابتدائے اسلام کے ممتاز مصنفون، جغرافیہ دانون اور مورخون کے فیصلون کو اس عجلت کیساتھ چھوڑ دین، کیا واقدی کی تصنیف اسی طرح ان اشخاص کو اپنی رائے زنی کے لیے دعوت نہین دیتی، اور کیا اسکا فیصلہ صرف مذہبی علما (تھیالوجین) کی رایون سے ہوگا،

یہ نہ سمجھیے کہ مین یہ سوالات مناظرہ کے لیے کر رہا ہون، بلکہ زیادہ تر مین یہ سوالات اپنی زیر تالیف روایات اسلام کے جوتھے باب کے متعلق معلومات تلاش کرنے کیلئے کر رہا ہون، میرے خیال مین ابوحاتم کا واقدی کی نسبت بری رائے ظاہر کرنا درحقیقت موضوع سے خارج ہے، پھر ابراہیم حربی نے واقدی کے طرز تحریر یعنی ہر واقعہ کی الگ الگ سند لکھے بغیر روایت کی مدافعت کی ہے، یہ ایسا طرز تحریر ہے جو یاد رہے کہ واقدی کی وفات کی ایک نسل بعد تک کم وقعت نہ تھا، کیونکہ زہری اور ابن اسحاق ان دونون نے بھی ایسا ہی کیا ہے، آپکے فاضل مضمون نگار نے یہ جواب دیا ہے کہ زہری اور ابن اسحٰق کی سطح واقدی سے بلند تر ہے، لیکن کیا مین یہ پوچھ سکتا ہون کہ کیون؟ مین جانتا ہون کہ علمائے مذہب (تھیالوجینس) کی نظر مین انکی زیادہ وقعت ہے لیکن مغازی مین انکی وقعت کیون زیادہ ہے؟

کیا یہ فراموش کردیا گیا ہے کہ زہری نے خود اقرار کیا ہے کہ انھون نے دباؤ سے مجبور ہوکر جھوٹی حدیثین بنائی ہین اکو صلاح الدین (اسپر ہمکو ان بانشاہون نے مجبور کیا) پھر بہت سے مصنفین نے صحیحین کی حدیثین بھی رد کردی ہین اور نیز یہ کہ بخاری کے راویون مین ایک ابوہریرہ بھی ہین، جو روایت کرتے ہین کہ چاند پھٹ گیا تھا (شق القمر) اس بنا پر کوئی اس خیال سے باز نہین رہ سکتا کہ کوئی قوی سبب اس کا نہین ہے کہ واقدی کو بخاری کے فیصلہ کی بنا پر رد کردیا جائے،

اسلام کے ایک سچے طالب علم ہونے کی حیثیت سے مین نہایت مشکور ہونگا کہ اگر سید صاحب یا کوئی دوسرا فاضل مجھکو وہ اصول بتائے جسکی بنا پر کسی ابتدائی مسلمان کی شہادت قبول یا رد کیگئی ہے،

آپ میرے ساتھ اتفاق کرینگے کہ جب کسی شخص کے خود معاصرین اسکو اعلیٰ سند تسلیم کرین تو یہ بمشکل مناسب ہوگا کہ بعد کی نسل کے علمائے مذہب (تھیالوجینس) کی بلا دلیل رایون کی بنا پر اسکو جھوٹا کہکر بدنام کیا جائے،

آپکا مخلص

الفرڈ گولیم

پروفیسر عربی، درہم یونیورسٹی، انگلینڈ

الجواب

از سید سلیمان ندوی

پروفیسر موصوف کے ان سوالات کو پڑھکر سب سے پہلے اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے فاضل مستشرقین کی علمی تحقیق کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، ایک زمانہ تھا کہ سیرۃ نبوی ﷺ لکھنے کے لیے تنہا ابو الفدا ایک ماخذ ان کے سامنے تھا، اس کے بعد واقدی، اور پھر ابن سعد اور ابن اسحاق کی باری آئی، یہان تک کہ پروفیسر مارگولیتھ نے اس کا سب سے بڑا ماخذ حدیث کو قرار دیا، اور خصوصاً ابن حنبل کی ضخیم جلدون کو، لیکن ابھی تک اسکی کسر تھی کہ انھون نے کسی واقعہ کی تنقید مین اصولِ روایت سے کام نہین لیا، مگر کیا پروفیسر گوئیم کے ان سوالات سے یہ خوشخبری نہین معلوم ہوتی کہ وہ اب ہمارے ان اصول و ضوابط کو سمجھنا چاہتے ہین، جنپر اسلام کی ابتدائی روایتون کی تنقید کی اصلی بنیاد قائم ہے،

دنیا مین صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جس نے واقعات و روایات کی تنقید و تصحیح کیلئے اصول و ضوابط قائم کئے اور اس سلسلہ مین اصولِ حدیث، اسماء الرجال، علم الجرح والتعدیل، اختلاف الحدیث، اور اسناد وغیرہ متعدد فنون کی بنیاد ڈالی، اسی کیساتھ درایت کے اصول، اور نقد کے قوانین بنائے، اور ان پر صدہا کتابین لکھین، اور وہ ہماری مشرقی درسگاہون کے نصاب تعلیم کا ایک جزو ہین، اور محض عربی زبان کی ادبی واقفیت ان مشکلات کی گرہ کشائی نہین کرسکتی،

مسلمانون مین اس فن کی نظر سے واقعات کی تنقید دو پہلوؤن سے کیجاتی ہے جنمین سے ایک اصولِ روایت اور دوسرا اصولِ درایت ہے، روایت کے مختصر اصول یہ ہین کہ شروع سے آخر تک واقعہ کے ناقل اور راوی معتبر اور ثقہ ہون، پہلا راوی یا خود واقعہ کے وقت موجود اور اس کا عینی شاہد ہو یا کسی شریکِ واقعہ اور عینی شاہد سے اس نے خود سنا ہو یا اوسکے متعلق یہ تجربہ سے ثابت ہو کہ وہ ہمیشہ عینی شاہدون سے سن ہی کر اس قسم کی روایتین کیا کرتا ہے، پھر یہ کہ ہر راوی یہ ادعا کرے کہ اس نے خود دوسرے راوی یعنی اپنے پیشرو راوی سے یہ سنا ہے، یا یہ ثابت ہو کہ وہ اس سے عمر مین ایکدفعہ بھی کم از کم ملا ہے، یا یہ کہ وہ دونون کم از کم ایک زمانہ مین موجود تھے، اور ایک کی دوسرے سے سماعت ممکن ہے، اول سے آخر تک سند کی کڑی متصل اور ملی ہو کہین سے ٹوٹی نہ ہو یعنی بیچ کا راوی کوئی نامعلوم نہ ہو،

درایت کے مختصر اصول یہ ہین کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، وہ دیگر مستند تاریخی بیانات کے مخالف تو نہین ہے، کسی دوسری صحیح تر سند سے اسکے خلاف کوئی ایسی شہادت تو موجود نہین ہے، جو اسکی تکذیب کرتی ہو، راوی سے مطلب سمجھنے مین تو کوئی غلطی نہین ہوئی ہے، راوی نے کوئی ادھوری بات تو نقل نہین کی ہے، اسلام کے مسلمہ عقیدہ، اور معروف اصول کے خلاف تو نہین ہے،

یہ اس فن کی مختصر وضاحت ہین جنپر اسلام کی ابتدائی تاریخ و احکام کی نقل و روایت کی بنیاد قائم ہے، اسلام کے ابتدائی مصنفین نے خواہ وہ علمائے حدیث ہون، علمائے مغازی ہون، یا علمائے تاریخ ہون انھین اصول کی پیروی جہانتک زیادہ کی ہے وہین تک انکی تصنیفات امت کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہوئی ہین، اسی بناپر امام بخاری کی جامع صحیح کا پھر امام مسلم نیشاپوری کی کتاب کا پھر علی الترتیب اسی طرح حدیث کی دوسری کتابون کا ترتیبی درجہ ہے،

امام بخاری نے اپنی کتاب مین کوئی ایسی روایت متن کتاب مین نقل نہین کی ہے جسمین کے ہر ایک راوی نے دوسرے راوی سے اپنی ملاقات اور سماعت کا اقرار نہین کیا ہے، امام مسلم نے ایسے راویون کی روایتین بھی قبول کرلی ہین، جنکی باہمی ملاقات اور سماعت کا کوئی ثبوت نہ ہو، اور صرف اتنا ثابت ہو کہ وہ دونون ایک عہد اور ایک زمانہ مین موجود تھے، اس بناپر ہر منصف مزاج یہ یقین کریگا کہ روایات اور وقائع کے تمام دفتر مین صحیح بخاری سے بڑھکر کوئی کتاب نہین، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ صحیح مسلم کا درجہ صحیح بخاری کے بعد کیون قرار دیا گیا ہے، دوسری کتابون کے مصنفین نے اپنا اصول یہ قرار دیا ہے کہ وہ ہر اس واقعہ کو قبول کرتے ہین جسکی نسبت علما کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا نہین ہے، اور ہر اس راوی کو قبول کرتے ہین جسکو علما نے جھوٹا، کاذب، اور دروغگو نہین کہا ہے، نیچے درجے کے مصنفین نے اس اصول کو بھی برقرار نہین رکھا ہے، بلکہ ہر جھوٹی سچی روایت کو قبول کرکے اپنی کتاب مین بھر دیا ہے، اس لیے اسی ترتیب سے انکی کتابون کے بھی اہل فن نے درجے مقرر کردیے ہین،

جو کتابین مغازی اور سیرۃ پر لکھی گئی ہین، ان مین ان اصولون کا عموماً بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے، تاہم ان اصولون کی پابندی، اور خود مصنفین کی ذاتی حیثیت کی بناپر مغازی کی کتابون مین سے سب سے اول امام زہری کی مغازی کو جگہ دی گئی تھی، اور اسکی عدم موجودگی مین ان کے شاگردون مین سے موسی بن عقبہ کی مغازی کا رتبہ ہے، اور اسکے بعد اگرچہ محمد بن اسحاق کا درجہ ہے، اور واقدی کیلئے اس بارہ مین ہی جگہ رکھی گئی ہے، جو ایک کم رتبہ کی حدیث کی کتاب کے مصنف کا پایہ محدثین مین ہے،

پروفیسر صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمائے اسلام کی جماعتی یا فنی واقعی تقسیم سے ناآشنا ہین، اور یقیناً کسی بیرونی قوم کے افراد کو دوسری قوم کے مذہب، علوم اور زبانون کی اصطلاحات کا سمجھنا اس بنا پر مشکل ہوتا ہے کہ وہ بچپن سے اس ماحول سے باہر رہے ہین، اور انکی واقفیت کا ذریعہ محض کتابین ہین اور ان چیزون کے پوری طور سے سمجھنے مین اس قوم کی زبان کی محض ادبی واقفیت پوری معین نہین ثابت ہوتی، اسلیے لامحالہ وہ شخص دوسری قوم کی اصطلاحات، خیالات اور ماحول کو اپنی قومی اصطلاحات، خیالات، اور ماحول کے مطابق کرکے سمجھتا ہے،

ہمارے پروفیسر صاحب نے اپنے خط مین دو قسم کے علما کے نام لیے ہین، ایک کو وہ تھیالوجین یعنی علمائے الٰہیات، اور دوسرے کو مورخین اور اصحاب مغازی کہتے ہین، لیکن اسلام مین یہ کوئی تقسیم نہین ہے۔ اور ہمارے یہان علمائے الٰہیات، عام علماء سے کوئی الگ نہین ہین، یہان پر علماء کی تقسیم تھیالوجی (الٰہیات) کی بنا پر نہین ہے، بلکہ "روایت" کی بنا پر ہے، اسلیے وہ تمام اشخاص جو کسی قسم کی نقل و روایت کرتے ہین، ایک جنس مین داخل ہین، اور ان کا نام "علمائے نقل" ہے، اور دوسرے علمائے عقل ہین جنکا یہان کوئی تعلق نہین، علمائے نقل یعنی وہ تمام اشخاص جو کسی حکم یا واقعہ کو نقل اور روایت کرتے ہین انکو اس حکم یا واقعہ کی حیثیت کی بنا پر مختلف نام دیے گئے ہین، مثلاً وہ اشخاص جو آنحضرت صلعم اور عہد اول کے ہر قسم کے احکام و واقعات کی نقل و روایت کی خدمت انجام دین، وہ محدث کہلاتے ہین، اور جو صرف آنحضرت صلعم کے سوانح ذاتی اور واقعات اور اخلاق کا ذکر کرین، وہ **اصحاب سیرۃ** ہین، اور جو آپکے صرف اخلاق و عادات کو نقل کرین، وہ **اصحاب شمائل** ہین، اور جو صرف غزوات اور ان کے متعلقات کو بیان کرین، وہ **اصحاب المغازی** ہین، بہر حال محدث، یا صاحب سیرۃ، یا صاحب شمائل یا صاحب المغازی یہ کل کے کل گو مضامین متعلقہ کی حیثیت سے الگ الگ نامون سے موسوم ہین لیکن روایت کی حیثیت سے ان سب کا ایک ہی درجہ ہے یعنی یہ سب اصحاب روایت اور علمائے نقل ہین، اور تمام اصحاب روایت اور علمائے نقل ایک ہی ترازو کے پلہ مین تولے جائینگے،

اس بنا پر جو شخص بھی اسلامی روایات کا کوئی ٹکڑا بھی کسی سے نقل کرکے بیان کریگا خواہ وہ دینی احکام و فرائض سے متعلق ہو خواہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات گرامی سے منسوب ہو، خواہ وہ غزوات اور لڑائیون کے بارہ مین ہو، خواہ وہ آپکے اخلاق و عادات سے تعلق رکھتا ہو، اس کیلئے اس بات کے ثبوت کی ضرورت ہے، کہ درحقیقت یہ ایسا ہی ہے، عقل انسانی

مین پچھلی نسلون یا غائب اشخاص کو اس حکم یا واقعہ کا علم صرف روایت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اور یہی ایک ذریعہ انسان کے ہاتھ مین ایک سے دوسرے تک بات کے پہنچانے کا ہے اور تمام دنیا کے وقائع اور حوادث کے علم کا مدار صرف تاریخ پر ہے،

اسلامی اور غیر اسلامی روایات مین فن کی حیثیت سے یہی سب سے بڑا اور ممتاز فرق ہے کہ غیر مسلم قومون نے اپنے انبیاء اور ہادیون کے اقوال اور افعال کی روایتون کی جانچ اور پڑتال کے متعلق کوئی اصول مدون نہین کیا ہے، اور مسلمانون نے اسکے لیے بہت سے اصول مدون اور منضبط کئے ہین، اور اسی معیار پر غلط اور صحیح، سچی اور جھوٹی روایت کو وہ پرکھتے ہین، مثلاً عرض ہے کہ ہمارے عیسائی بھائیون کے یہان ان چار مشہور انجیلون کے علاوہ اور بہت سی انجیلین ہین اگر انھون نے چار کو مسلم مان کر بقیہ کو جعلی، اور ناقابل تسلیم قرار دیا، مگر ہمین وہ اصول نہین معلوم جنکی بنا پر اس جھوٹ اور سچ، صحیح اور جعلی مین فرق کیا جا سکے، لیکن مسلمانون کے پاس اس کے جانچنے کے لیے وہ فن ہے جس کا نام اصول ہے، اور جسکی متعدد شاخین ہین،

آج تنقیدی تاریخ کے فن نے یورپ مین بے انتہا ترقی کی ہے، اور ابن خلدون کے بنیادی فلسفۂ تاریخ نے یورپ جاکر عظیم الشان برگ و بار پیدا کیا ہے، اور اس امر پر زور صرف کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کا فلان واقعہ فطرت، مقتضائے عہد اور اس زمانہ کے ماحول کے لحاظ سے ممکن بھی ہے یا نہین، غرض درایت کے نقطۂ نظر سے کوئی پہلو جدید یورپ کے نقاد مورخین کی محققانہ نگاہ سے اوجھل نہین ہونے پاتا، لیکن یہ پہلو کہ اس واقعہ کو کس نے دیکھا، کس سے سنا، ہم تک کس واسطے سے پہنچا، کبھی معرض بحث مین نہین آتا، آج یورپ مین مقننین اور عدالتون نے حوادث اور واقعات مین **شہادت** کی حیثیت کو جو اہمیت دی ہے، وہ مخفی نہین ہے، اور شاہدون اور گواہون کی وقعت، پوزیشن، اخلاق یعنی شہادت اور سچائی کو ہر طرح سے جانچنے کی انتہائی کوششین کیجاتی ہین، پھر یہ کیا ظلم ہے کہ موجودہ واقعات کی تحقیق کے سلسلہ مین تو شاہدون اور گواہون کے متعلق یہ احتیاط برتی جائے اور گذشتہ واقعات کے قبول و رد مین اس کے بالمقابل شہادت کے تمام اصول کو بالائے طاق رکھدیا جائے، اور سچے اور جھوٹے مین کوئی تفریق نہ کیجائے، نہ اسکی تلاش اور جستجو کیجائے،

حدیث و روایت بھی دنیا کے ہزارون علوم و فنون مین سے ایک فن ہے، ہر علم و فن کی طرف جو لوگ منسوب ہین یا جو کسی علم و فن کی آگاہی اور واقفیت کے مدعی ہین، ہر شخص جانتا ہے کہ ان سب کا درجہ برابر نہین ہوتا، بہت سے ان مین

محض فن کے آشنا اور اس علم کے محض ابجد خوان اور حرف شناس ہین، دوسرون کی حالت ان سے بہتر ہوتی ہے، بعض کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے، اور خود ان مین سے ایسے باکمال بھی ہوتے ہین جو اس علم یا فن کے محقق اس کو ترقی دینے والے، اس کے تمام حقائق اور اسرار کے کامل ماہر ہوتے ہین، اور اس کا فیصلہ کہ اس کو اس علم یا فن مین نقص یا کمال کا کونسا درجہ حاصل ہے، اس علم و فن کے متعلق اس کے کارنامے، اس کے ہمعصر و ہم پیشہ فضلاء کی رائین، اور اس زمانہ کے قبول عام کی نگاہین اسکو نمایان کردیتی ہین، اور بالآخر ان کو اس علم و فن کا معیاری درجہ اور رتبہ حاصل ہو جاتا ہے، ہر عہد اور ہر زمانہ مین علم و فن کی ہر شاخ مین اسکی ہزارون مثالین گذر چکی ہین، اور گذر رہی ہین، گذشتہ اور موجودہ علماء اور مصنفین کے اعتبار استناد، اور صحتِ نقل کا پیمانہ اسی معیار پر قائم ہے،

یہی اصول اسلامی روایات کے حاملین اور ابتدائی مسلمان مصنفین کے فرق مراتب اور امتیازات مین قائم ہے، اور جسکی بنا پر، مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن حنبل، ابن ماجہ، ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، ابن ہشام، طبری، دیلمی، کلبی، وغیرہ ابتدائی مسلمان مصنفین کی کتابون مین مراتب اور درجات ہین،

ہر علم و فن کے مسائل کے متعلق اسی کے جاننے والون اور محققون کی رائے معتبر ہوسکتی ہے، ایک عالم لغت کی رائے کیمسٹری کے کسی مسئلہ کی نسبت، یا ایک جغرافیہ دان کی رائے طب کے متعلق، ایک ادیب کی رائے مابعد الطبیعیات کے بارہ مین، یا ایک محدث کی رائے ہیئت کے کسی مسئلہ کے فیصلہ مین بالکل بیہودہ ہے، مسلمان علماء اور حکماء مین اسکی مثالین ڈھونڈھیے، ابو القاسم مجریطی سے ریاضیات کی نسبت، اور موسیٰ خوارزمی سے مقامات کی نسبت سوال بیکار ہوگا، ابو علی سینا سے حدیث کی تحقیق اور امام بخاری سے طبیعیات کے مسائل حل نہین کئے جا سکتے، اس بنا پر بالکل صاف ہے کہ حدیث و روایت نبوی کی تحقیق مین ایک انشا پرداز، جغرافیہ دان، اور معاصرات نویس کی رائے کیون معتبر نہین، جس طرح گبن کا کام نیوٹن سے نہین لیا جاسکتا، اسی طرح ابن حجر کا کام یاقوت سے نہین لیا جاسکتا، اور نہ یاقوت کا کام ابن حجر سے لیا جاسکتا ہے، اسلیے یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ ہمکو واقدی کو معتبر ثابت کرنے کے لیے ایک انشا پرداز، ایک جغرافیہ دان اور ایک مورخ (یاقوت مورخ نہین سوانح نگار تھا) کی شہادت منزل تک نہین پہنچی، اس کے فیصلہ مین یہ صحیح نہین ہے کہ تھیالوجین (عالم الٰہیات) اور غیر تھیالوجین کے تعصب کی دیوار حائل ہے، بلکہ فن کی واقفیت اور تحقیق کی دیوار حائل ہے، کسی شہر کی جائے وقوع اور اس کے نام کی صحت کے بارے مین، ابن خردازبہ، مقدسی،

مسعودی، ادریسی اور یاقوت جغرافیہ دانانِ اسلام کی جو رائے ہوگی اس کے مقابلہ مین، امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، خطابی، اور ابن حجر کی رائے قابل تسلیم ہوگی یہ بالکل ہی کھلا مسئلہ ہے، اسلیے کس کی یہ حیرت کہ ہم کیون ابتدائے اسلام کے ممتاز مصنفون جغرافیہ دانون، اور مورخون کے فیصلون کو اس عجلت کیساتھ چھوڑ دین، کیا واقدی کی تصنیف اسی طرح ان اشخاص کو اپنی رائے زنی کے لیے دعوت نہین دیتی اور کیا اس کا فیصلہ صرف مذہبی علماء (تھیالوجینس) کی رایون سے ہوگا؟" دور ہو جائے گی،

اب مین آپکے اس سوال پر آتا ہون، کہ "وہ کیا اصول ہے جسکی بنا پر واقدی کی صداقت رد کیجاتی ہے؟" وہ اصول عرض کرنا چاہتا ہون جو کسی مصنف کے رد و قبول پر حاوی ہے، پہلے گذر چکا ہے کہ ہر علم و فن کے فضلاء اور محققین کے کارنامے، معاصرین کی شہادتین، اس علم و فن کیساتھ اس کا شغف و شوق اور کاوش و تحقیق ان کے مرتبہ اور درجہ کو متعین کردیتی ہے، اور ایک نا آشنائے فن، عطائی، مدعی محض، آشنا، عالم، فاضل اور محقق کامل کے متفاوت درجون کی تعیین کردیتی ہے، یہی حال سلسلہ روایت اور اسناد کے واقفون، عالمون اور محققون کے رتبون اور درجون کی تعیین اور تشخیص کا ہے، امام بخاری کے سامنے بغداد مین روایات کے دس متفرق سلسلے باہم الٹ پھیر کر امتحاناً پیش کیے جاتے ہین، وہ بہ ترتیب ان سلسلون کو اپنی اپنی جگہ رکھکر پیش کر دیتے ہین اور علماء کا مجمع ان کی حیرت انگیز یادداشت اور حافظہ کو دیکھکر دنگ رہجاتا ہے، اس بنا پر اس فن مین امام بخاری کا جو درجہ ہوگا وہ اس واقدی کا نہین ہوسکتا جس کو اپنی کسی روایت کی پوری سند بھی نہین معلوم،

اول نفس مصنفین کو لیجیے، فضل و کمال، دیانت و تقوی، حفظ، یادداشت، فہم و استنباط کے لحاظ سے ان مین بہت کچھ فرق ہوتا ہے، پھر آپکو معلوم ہے کہ کم از کم ایک دو نسل تک اسلامی روایات کا بڑا حصہ زبانی کتاب کے سبقون کی طرح ازبر یاد کیا جاتا تھا، اسلیے راویون کی قوتِ حافظہ کا امتحان بھی ضروری تھا،

اب اسلامی فنِ روایت کے اصول کی بنا پر کسی مصنف کی کتاب مین کسی واقعہ کے مستند طور سے درج ہونے اور اس کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری ہے، کہ

۱۔ مصنف خود معتبر، ثقہ، دیانتدار، اور صادق القول ہو، اور اپنی روایتون کے تمام سلسلون سے واقف ہو، اور اپنے راویون کے انتخاب مین اس نے پوری کوشش کی ہو اور کامیابی حاصل کی ہو،

۲- اسکی ہر روایت کا سلسلہ سند ہو،

۳- اسکی روایت کا ابتدائی راوی واقعہ کا عینی شاہد ہو یا کسی عینی شاہد سے اس کے سننے کا کافی ثبوت ہو،

۴- واقعہ کے شاہد عینی سے لیکر مصنف تک ہر دور کے راوی کی کڑی موجود ہو،

۵- ہر دور کے راوی کی نسبت یہ بھی معلوم ہو کہ وہ ثقہ معتبر اور صادق تھا،

۶- ہر دور کے راوی کی نسبت یہ ثابت ہو کہ اس نے اپنے پیشرو سے سنا ہے، اور یا کم از کم یہ کہ یہ دونوں ایک زمانہ میں موجود تھے،

یہ چند اصول ہیں جو ایک ایسے مختصر مضمون کی چند سطرون مین بیان کئے جاسکتے ہین اس معیار پر ہم بخاری اور واقدی کی روایتون کو جانچتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کے تمام معاصرین بالاتفاق اسکو ثقہ، معتبر، صادق، متدین اور روایت کے اشخاص اور رجال کا سب سے بڑا پرکھنے والا کہتے ہین، اور دوسرے کے اکثر معاصرین اسکو جھوٹا، کاذب اور دروغگو اور روایت کے اشخاص اور رجال سے اسکو ناواقف محض کہتے ہین، نتیجہ ظاہر ہے،

اب ان دونون کے راویون کا حال دیکھنے مین تو پاتے ہین، کہ بخاری اپنی ہر روایت کے شروع سے اخیر تک راویون کو نام بنام گناتے ہین، اور ان مین سے اسکے ہر دور کا راوی اپنے زمانہ کا مشہور ومعروف، متدین، راستباز، اور معتبر تھا، دوسری طرف واقدی کے یہان مرے سے یہی معلوم نہین کہ اس نے واقعہ کو کس سے سنا؟ اس نے کس سے کہا، اور اسکا شاہد عینی کون تھا، ہر منصف مزاج روایت کے دونون مصنفون کے بیانات کے رد وقبول کا بآسانی فیصلہ کرسکتا ہے،

واقدی نے اگر کہین کہین ایک دو راویون کے نام لکھے بھی ہین تو وہ غیر مشہور، نامعتبر، یا مجہول ہین، اور بخاری کا ہر راوی اپنی جگہ پر معاصرین مین مسلم الثبوت اور اہل فن کے نزدیک مستند رہا ہے، پھر نفس واقعہ اور اسکی تفصیلات کو دیکھئے تو ثابت ہوتا ہے کہ بخاری کے بیان کی تصدیق دوسری معاصر و مماثل روایتون کی تائید سے بھی ہوتی ہے، اور واقدی کے خاص بیان کی تائید کسی معاصر سے نہین ملتی، اس قسم کی متعدد مثالین جب دو مصنفون مین ملینگی تو ضرور ایک کو مستند اور دوسرے کو غیر مستند قرار دیا جائیگا، یہ اصول ہے جسکی بنا پر ایک مصنف کو قبول اور دوسرے کو رد کیا جاتا ہے،

جس طرح دوسرے علوم وفنون کے ممتاز و مستند محققین ہر زمانہ مین ہوتے رہے ہین، اسی طرح اسلامی

علم روایت کے ممتاز و مستند محققین بھی ہر دور مین گذرتے رہے ہین، جنکا تدین جنکی ثقاہت جنکا علم وفضل خود ان کے کارنامۂ علمی کا وشون، ان کی زندگیون کے سوانح اور ان کے معاصرین کی شہادتون سے ثابت ہے، اور جنھون نے اپنی پوری زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ روایتون کی تحقیق، راویون کی چھان بین، رجال کی تلاش وتفتیش مین بسر کیا، اور ان کے عہد کے انسانون نے انکے تدین تحقیق اور فضل وکمال پر بھروسہ کیا، انکی تحقیقات اور بیانات اس عہد کے راویون کے متعلق معیار قرار پائے،

اور چونکہ مختلف اشخاص کے متعلق ان کے مختلف واقف کارون کے تجربے کبھی کبھی مختلف بھی ہوتے ہین اسلیے راویون کے متعلق مختلف رائین بھی ہین، ان راویون کی صحت کا معیار خود ان اصحاب رائے کا فضل وکمال ہے، اور یہ اختلاف رائے، خود علم اسماء الرجال کی صداقت کی دلیل ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعی مختلف اشخاص کے ذاتی تجربون پر قائم ہے، اگر ان مین بجائے اختلاف کے یکسانی ہوتی تو اول تو یہ اشخاص کے متعلق نقد وتجربہ کی غیر فطری مثال ہوتی، دوسرے اس سے شبہہ پیدا ہوسکتا تھا کہ یہ ایک جعلی بناوٹی اور متفقہ جھوٹ ہے، اس بنا پر کسی راوی کے متعلق اگر مختلف ناقدین کی مختلف رائین ہون تو ان رایون مین سے کسی ایک پہلو کی ترجیح کے حسب ذیل اصول ہین،

۱- معاصر ناقدین کی اکثریت کدھر ہے؟

۲- مختلف رتبون کے ناقدون مین سے اعلیٰ درجہ کے مستند ناقدین کس طرف ہین؟

۳- عام ناقدین کی اکثریت کس طرف مائل ہے؟ +

کسی راوی کے متعلق، متاخر عہد کے غیر معاصر ناقد جب اپنی رائے دیتے ہین تو اسکی بنیاد حسب ذیل چیزون پر ہوتی ہے،

۱- راوی کی موجودہ روایات کے ذخیرہ کی نوعیت کیا ہے، اور زیادہ تر اس مین معروف یا منکر کس قسم کی باتین ملتی ہین،

۲- دوسرے مستند لوگون کے بیانات سے اس کا بیان کہان تک موافق یا مخالف ہے،

۳- اس مختلف فیہ راوی کے معاصر فضلاء کی رائین اسکے متعلق کیا ہین، اور اگر وہ مختلف ہین تو ان مین مشہور و معروف ناقدین کدھر ہین، یا ان کی کثیر تعداد کس جانب ہے،

۴- متاخر ناقد نے گو خود اس راوی کو نہین جانچا مگر اس کے متعلق اس نے اپنے شیوخ کی زبان سے سنا جو اس راوی کے معاصر تھے،

اس تفصیل سے واضح ہوگا کہ واقدی کے متعلق پچاس برس بعد امام بخاری کیونکر اپنی رائے ظاہر کر سکتے ہین :

واقدی کے متعلق ابو حاتم رازی کی رائے موضوع سے خارج ہے، ابو حاتم کا منشا یہ ہے کہ واقدی کے ہمعصر محدثین اور فضلاے روایت نے دیکھا کہ واقدی مدینہ کے نامعلوم، اور غیر معروف راوی، جنکے حالات سے واقفیت نہین، ان سے روایت کیا کرتا ہے، اور ایسی روایتین کرتا ہے جو منکر ہین یعنی کسی ثقہ اور معتبر راوی کے بیان سے انکی تائید و تصدیق نہین ہوتی، اور نہ جنکو ہم جانتے ہین؛ اب ایسی حالت مین یہ اشتباہ ہو سکتا تھا، کہ ممکن ہے کہ یہ منکر اور غیر مصدقہ روایتین خود واقدی نے گھڑلی ہون، اور دوسرے غیر معروف شیوخ کی طرف ان کو منسوب کر دیا ہو، یا یہ کہ یہ جھوٹی روایتین انھین غیر معروف شیوخ کی ساختہ ہون، اور واقدی نادانستگی مین ان کو لیکر بیان کیا کرتا ہے تشکیک کے ان دونون پہلوؤن مین سے ایک کی تعیین واقدی کے ہمعصر فضلا نے اس طرح کی کہ دیکھا کہ وہ مشہور و معروف اساتذہ جو اس قسم کی منکر روایتین ہرگز نہین کرتے، اور نہ انھون نے کی، واقدی ان سے بھی اس قسم کی روایتین علانیہ انکی طرف نسبت کرکے کیا کرتا ہے، اس سے معلوم ہوگیا کہ ان لغو و مہمل اور غیر مصدق روایتون کے گھڑنے کا کارخانہ خود اسی کے گھر مین قائم تھا،

کیا یہ موضوع بحث سے خارج رائے ہے؟

ابراہیم حربی جنھون نے واقدی کی حمایت کی ہے، اور کہا ہے کہ:-

"مفصل سند کے بغیر روایت کرنا اگر جرم ہے، تو امام زہری اور محمد بن اسحاق بھی اس سے بری نہین"۔

مین نے اپنے گذشتہ مضمون مین اس کے دو جواب دیئے ہین،

۱- زہری اور ابن اسحاق واقدی سے بہت زیادہ بلند ہین، اسلیے ان کی بلا سند بات بھی واقدی کی بے سند بات سے زیادہ وقیع ہے کہ واقدی کا جعل ساز ہونا ثابت تھا اور وہ دونون اس الزام سے قطعًا بری ہین، اور خصوصًا زہری تو امام الائمہ ہین، اور ابن اسحاق گو ان سے بہت کم رتبہ ہین تاہم واقدی سے تو ان کا پایہ بلند ہے،

۲- زہری اور ابن اسحاق نے ایسی بے سند باتین کہین کہین مختلف سندون کو ایک جگہ ملا کر روایت کی ہین، بقیہ ہر جگہ انھون نے اپنی ہر بات اور ہر روایت کی الگ الگ سندین ذکر کی ہین، اور واقدی نے یہ کیا ہے کہ اپنی

کتاب کے آغاز مین سو پچاس آدمیون کے نام اکٹھے کر کے باقی پوری کتاب بلا سند ایک کہانی اور ایک قصہ کی طرح سنا دی ہے اسلیے ان مین عظیم الشان فرق ہے،

علاوہ ازین اگر زہری اور ابن اسحاق نے واقدی ہی کی طرح کوئی بے سند روایت کردی ہے تو اس روایت کا درجہ بھی واقدی ہی کی روایت کے قریب قریب ہوگا، گو زہری اور واقدی کے ذاتی امتیاز اور فضل و کمال کا جو فرق ہو وہ اب بھی محسوس ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ مغازی کی کتابون کا درجہ احادیث کی کتابون سے نہایت فروتر ہے، واقدی ہی کی مغازی کی تخصیص نہین، مغازی کی ہر کتاب احادیث کی کتابون کے مقابلہ مین کم رتبہ ہے،

۳- پھر آپ میری نسبت کہتے ہین کہ "آپکے مضمون نگار نے یہ جواب دیا ہے کہ زہری اور ابن اسحاق کی سطح واقدی سے بلند ہے، لیکن کیا مین یہ پوچھ سکتا ہون، کہ کیون؟" آپ یقینًا پوچھ سکتے ہین، یہ سطح کا نشیب و فراز اسلیے ہے کہ امام زہری کا کوئی جھوٹ ثابت نہین ہوا، محمد بن اسحاق بھی اس الزام سے بری رہے ہین گو ان پر بے احتیاطی کے اور الزامات ثابت ہون اور واقدی کی نسبت ان کے معاصرین کا بار بار یہ تجربہ ہوا ہے، کہ وہ جھوٹی اور گھڑ کر اور بے احتیاطی سے روایت کیا کرتا تھا، زہری ہمیشہ ایسے راویون سے اپنی روایتین کرتے ہین، جو اپنے عہد کے مشہور و معروف و ثقہ تھے، اور محمد بن اسحاق ان سے کم درجہ اور واقدی بالکل غیر معروف اور مجہول ہین، اور اس بنا پر ہر علم اور ہر فن کے واقفکارون اور ماہرون کے تفاوت مدارج کی نسبت ہر زمانہ کے حکما فیصلہ کیا کرتے ہین اسی طرح زہری اور ابن اسحاق اور واقدی کی سطح کی بلندی اور پستی کا فیصلہ بھی انھین نے کیا ہے، تاہم سند کے لحاظ سے زہری کی بھی ہر قسم کی روایتین یکسان نہین ہین، اور ان کی بے سند روایت بھی مستند روایت کے مقابلہ مین چھوڑ دیجائے گی، یا کم سمجھی جائیگی،

آپ کہتے ہین کہ "مین جانتا ہون کہ علماے مذہب (بحیثیت جنس) مین انکی (زہری اور ابن اسحاق کی) قیمت زیادہ ہے، لیکن مغازی مین ان کی وقعت کیون زیادہ ہے؟" اول عرض یہ ہے کہ زہری تو بلاشبہ ہر صنف روایت مین اعتبار و استناد کے بلند ترین درجہ پر ہین، مگر ابن اسحاق کا یہ حال نہین ہے، وہ صرف مغازی مین مقبول ہین احکام مین دوسرے معتبر لوگون کے مقابلہ مین انکی کوئی وقعت نہین ہے، بہرحال آپ کا یہ سوال ہے کہ مغازی مین زہری

اور ابن اسحاق کی وقعت واقدی سے کیون زیادہ ہے؟ کئی دفعہ عرض ہو چکا، کہ اسلامی اصول روایت مین مغازی اور غیر مغازی کا کوئی فرق نہین ہے، ہر وہ شخص جو آنحضرت صلعم کے متعلق کوئی بات نقل کرتا ہے اسکو انھی مقررہ اصول پر جانچا جائیگا، خواہ وہ لڑائیون کا حال ہو، یا اخلاق کا بیان ہو یا کسی مذہبی حکم کا ذکر ہو، گو یہ سچ ہے کہ محدثین نے عملاً جانچ پڑتال کی وہ سختی اور شدت مغازی اور فضائل کے باب مین اتنی نہین کی جو احکام کے باب مین کی، اور اس کا انھون نے علانیہ اقرار کیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مغازی اور فضائل مین کثرت سے لوگون نے فضول اور لغو روایتین شامل کردی ہین، اور فن کے ناآشناؤن مین وہ مقبول ہین، اور عوام مین دلپسند ہین،

واقدی کی مدافعت مین تین باتین کہی گئی ہین،

۱- واقدی کی وفات سے ایک نسل بعد کا طریقۂ روایت یا طرز تحریر (یعنی حذف اسناد یا خلط اسناد کا طریقہ) قابل اعتراض نہ تھا،

۲- امام زہری اور ابن اسحاق نے بھی ایسا ہی کیا ہے، پھر وہ کیون واقدی کے مقابلہ مین معتبر اور مقبول ہین؟

۳- امام بخاری پر بھی لوگون نے جرحین کی ہین، پھر وہ کیون غیر معتبر نہین، اور ان کو اس کے بعد کیا حق رہتا ہے کہ وہ واقدی پر معترض ہون،

گو مین اپنے سابقہ بیانات مین ضمناً ان سوالات کا جواب دے چکا ہون مگر براہ راست بھی دیدینا چاہتا ہون

۱- یہ صحیح نہین ہے کہ واقدی کی ایک نسل بعد تک یہ طرز تحریر یا طریقۂ روایت قابل اعتراض نہ تھا، جن لوگون نے واقدی کے اس طرز پر اعتراض کیا ہے وہ اس کے معاصر ہی تھے اس سے ثابت ہوا کہ خود اس کے عہد مین یہ طرز ناپسندیدہ تھا، زہری اور ابن اسحاق کے طرز عمل سے اس پر استدلال کرنا صحیح نہین ہے جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے اور آگے پھر لکھتا ہون،

۲- زہری نے کہین کہین ساری روایتون مین دس پانچ جگہ ایسا کیا ہے، ابن اسحاق نے اس سے زیادہ ایسا کیا ہے لیکن واقدی نے اپنی پوری کی پوری کتاب اسی طرز پر لکھ ڈالی ہے، اسلیے اگر زہری اور ابن اسحاق کی صرف چند روایتین جو اس طرز پر ہین، قابل اعتراض ہین، تو واقدی کی پوری کتاب قابل اعتراض ہے، واقدی نے جہان جہان

سندین لکھی ہین، ان کو کہین ایک جگہ بھی اصل آخیر شاہد عینی تک پہنچانے کی کوشش نہین کی ہے، یہان تک کہ زہری کی روایتون کا بھی اس نے یہی حال کیا ہے،

زہری باوجودیکہ امام الائمہ اور تمام محدثین کے شیخ اعظم ہین تاہم ان کی مرفوع و متصل روایتون کا جو مرتبہ ہے، وہ ان کے مراسیل اور بلاغات کا نہین ہے، اور وہ بھی اسی طرح کم وقعت ہین، جس طرح دوسرون کی غیر مرفوع اور غیر متصل روایتین، البتہ اتنا فرق ہوگا کہ چونکہ زہری بذات خود معتبر ہین، اور واقدی جھوٹا، کاذب اور جعل ساز ہے اسلئے زہری کی بے سند روایت کا اعتبار واقدی کی بے سند روایت سے زیادہ ہوگا، اور یہ وہی فرق ہے جو ایک صادق البیان مورخ اور ایک گپ ہانکنے والے مصنف مین تمام دنیا کرتی ہے،

۳- امام بخاری پر دارقطنی وغیرہ نے بیشک اعتراضات کئے ہین لیکن وہ اعتراضات صرف فضل و کمال کی نمائش کیلئے محض اصطلاحی اور لفظی (ٹکنیکل) ہین واقعی نہین ہین، اسی لیے وہ اعتراضات علماء کے نزدیک ناقابل قبول ٹھیرے اور ابن حجر نے مقدمہ مین ان مین سے ایک ایک اعتراض کو رد کردیا ہے، علاوہ ازین کسی نے یہ جرأت نہین کی ہے کہ واقدی کی طرح بخاری کو جھوٹا اور دروغگو کہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ بخاری کے چند راویون کی معتبری اور نامعتبری پر بعض لوگون کو اعتراضات ہین، اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ ان معترضین کے نزدیک بخاری کی وہ روایتین قابل اعتراض ہونگی، مگر اس سے یہ لازم نہین آئیگا کہ بخاری کی ۷ ہزار روایتین دفعتہً معیار سے گرجائین، برخلاف واقدی کے اسکی ہر غیر مصدق روایت [illegible]ے ساقط اور نامعتبر ہے،

بخاری کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے آپنے لکھا ہے کہ اس کے راویون مین سے ایک ابوہریرہ ہین جنھون نے شق القمر جیسا [illegible]ل کیا ہے، یہ طرز استدلال تو صحیح نہین ورنہ دنیا کے ہر مذہب کا مجموعۂ روایت ناقابل تسلیم ہوجائیگا، خواہ وہ نبوت کے ستارہ کا طلوع ہو یا کسی کی موت کے وقت دنیا جہان کا تین دن تک اندھیرا ہوجانا ہو اور اس کے علاوہ سیکڑون ہزارون معجزات ہین، اجازر کا پھٹنا، یا پانی پر چلنا عقلاً ممکن ہے یا نہین؟ اور روٹی اور مچھلی کے چند ٹکڑے سیکڑون انسانون کو بیک وقت سیر کرسکتے ہین یا نہین؟ اسکی بحث کا یہ موقع نہین، مین نے اپنی سیرۃ نبوی کی تیسری جلد مین اسپر کافی بحث کی ہے اور

ہیوم کے فلسفہ (معجزات) سے متفق ہون، کہ معجزات ممکن ہین بشرطیکہ ان کا ثبوت قطعی شہادت سے ہو سکے، لیکن یہ مباحث اس موقع کے لیے موزون نہین ہین، بہرحال آپ بھی ہم سے متفق ہونگے کہ کسی راوی کے سچے یا جھوٹے ہونے کا یہ معیار نہین کہ اس نے کسی معجزہ کی روایت کی ہے یا نہین کی ہے، کہ اسکے وقوع اور عدم وقوع اور امکان و عدم امکان مین ہم سب متفق نہین ہین۔

اب مین آگے بڑھکر یہ دعویٰ کرتا ہون کہ ابوہریرہ نے شق قمر کی روایت قطعاً نہین کی ہے، اور نہ بخاری مین انکی یہ روایت مذکور ہے، شق قمر کے راوی صحابہ مین عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن مطعم، علی بن ابی طالب اور حذیفہ بن یمان وغیرہ ہین، ابوہریرہ اس واقعہ کے تقریباً آٹھ برس بعد مسلمان ہوکر اپنے وطن مین سے مدینہ آئے ہین، اس بارہ مین ان کا کوئی بیان بخاری مین قطعاً نہین ہے، اور نہ کسی دوسری کتاب مین میری نظر سے گذرا ہے۔

اس الزام کی بھی کوئی حقیقت نہین ہو کہ امام زہری نے خود اقرار کیا ہے کہ انھون نے دباؤ سے مجبور ہو کر جھوٹی حدیثین بنائی ہین" اور مین یہ کہنے کی ہمت نہین پاتا کہ انگلینڈ کی ایک بڑی یونیورسٹی کا عربی پروفیسر ایک معمولی عربی عبارت کے سمجھنے مین قصداً غلطی کرتا ہے، یا وہ اضطراراً غلطی پر مجبور ہے خوش قسمتی سے اس نے وہ عبارت بھی نقل کر دی ہو جس کے معنی اس نے یہ سمجھے ہین کہ زہری نے خود اعتراف کیا ہو کہ انھون نے بادشاہون کے دباؤ سے جھوٹی حدیثین بنائی ہین اصل عبارت یہ ہے

اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء   بادشاہون نے ہم کو اس پر مجبور کیا،

اب فوراً سوال ہوتا ہے کہ کس امر پر مجبور کیا؟ اس کا مشار الیہ اس منقولہ عبارت مین موجود نہین، اسلیے جہان سے یہ عبارت بالانقل کیگئی ہے، وہین سے اس کا بقیہ ٹکڑا بھی نقل کرکے فقرہ کو مکمل کیا جائے،

عن عبد الرزاق عن معمر عن الزھری قال	عبدالرزاق معمر سے اور معمر زہری سے روایت کرتے
کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء	ہین کہ زہری کہتے ہین کہ ہم لوگ علم (حدیث) کو لکھنا ناپسند
فرأینا ان لا نمنعہ احد من المسلمین	کرتے تھے، یہان تک کہ ہم کو بادشاہون نے دینی
(ابن سعد جلد ۲ قسم ثانی صفحہ ۱۳۵)	خلفائے بنو امیہ) اس کے لکھنے پر مجبور کیا، اور اب ہم یہ ٹھیک سمجھتے ہین

یہی عبارت مختصر جامع بیان العلم لابن عبد البر (صفحہ ۳۳ مصر) تقیید العلم ابن جوزی اور تہذیب التہذیب وغیرہ مین ہے۔

اس کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ بعض علما حدیث کے لکھنے سے منع کرتے تھے، اور وہ شدت اس سے پرہیز کرتے تھے، مگر سلاطین بنو اُمیہ نے فرمائش کرکے محدثین کو مجبور کر دیا کہ وہ احادیث کو اوراق مین لکھین اور ان کے تحریری مجموعے ترتیب دین اور آخر امام زہری کو بھی اسکی مصلحت معلوم ہوئی، اور انھون نے اسکی تعمیل کی، چنانچہ ان کے ترتیب دیئے ہوئے احادیث کے مجموعے ولید کے خزانہ سے اس کے قتل کے بعد برآمد ہوئے (ابن سعد ۲-۲-۱۳۶) غور کیجئے کہان زہری کا یہ اقرار کہ انھون نے سلاطین کی فرمائش سے احادیث کے مجموعے مرتب کئے؛ اور کہان یہ اقرار کہ سلاطین کے مجبور کرنے سے انھون نے حدیثین وضع کین اور گھڑی ہین؟ اللہ اکبر!

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

فاضل پروفیسر کا یہ کہنا کہ "وہ سندین جو واقدی کی نسبت عمدہ رائین ظاہر کرتی ہین، وہ ان سے جو اسکی تنقیص کرتی ہین ایک نسل متقدم مین تحقیق نہین بلکہ فقط واقدی کیساتھ حسن ظن پر مبنی ہے، واقدی کے موافقین اور مخالفین دونون مین اس کے ہمعصر اور اس کے بعد کے لوگ داخل ہین، مزید ثبوت کے لیے ذیل مین دونون کی ولادت اور وفات کی تاریخین لکھدی جاتی ہین، چونکہ واقدی کے موافقین اس کے مخالفین کے مقابلہ مین کم درجہ لوگ ہین، اسلیے انکین اکثر کی ولادت کی تاریخین کم از کم مجھکو نہ مل سکین؛

۱-محمد بن عمر الواقدی،

سنہ ولادت	سنہ وفات
سنہ ۱۳۰ھ	سنہ ۲۰۷ھ

۲-موافقین واقدی،

نام	سال ولادت	سال وفات	نام	سال ولادت	سال وفات
۱-عبدالعزیز بن محمد دراوردی	x	سنہ ۱۸۶ھ	۲-یزید بن ہارون	سنہ ۱۱۷ھ (شاید)	سنہ ۲۰۶ھ
۳-ابوعبید قاسم بن سلام	سنہ ۱۵۰ھ (شاید)	سنہ ۲۲۴ھ	۴-مصعب بن عبداللہ زبیری	سنہ ۱۵۶ھ (شاید)	سنہ ۲۳۶ھ

نام	سال ولادت	سال وفات	نام	سال ولادت	سال وفات
۵- محمد بن عبد اللہ بن نمیر	×	سنہ ۲۳۴	۸- یعقوب بن شیبہ	×	سنہ ۲۶۲
۶- محمد بن اسحاق مسیبی	×	سنہ ۲۳۶	۹- محمد بن اسحاق الصنعانی	×	سنہ ۲۷۰
۷- عباس عنبری	×	سنہ ۲۴۶	۱۰- ابراہیم الحربی	×	سنہ ۲۸۰

۲- مخالفین واقدی

نام	سال ولادت	سال وفات	نام	سال ولادت	سال وفات
۱- امام شافعی	سنہ ۱۵۰	سنہ ۲۰۴	۹- جوزجانی (ابراہیم بن یعقوب)	×	سنہ ۲۵۶
۲- یحیی بن معین	سنہ ۱۵۸	سنہ ۲۳۳	۱۰- ابو زرعہ رازی	سنہ ۲۰۰	سنہ ۲۶۴
۳- احمد بن حنبل	سنہ ۱۶۰	سنہ ۲۴۱	۱۱- ابوداؤد سجستانی	سنہ ۲۰۲	سنہ ۲۷۵
۴- علی بن المدینی	سنہ ۱۶۱	سنہ ۲۳۴	۱۲- امام نسائی	سنہ ۲۱۵	سنہ ۳۰۳
۵- اسحاق بن راہویہ	سنہ ۱۶۱	سنہ ۲۳۸	۱۳- ابوبشر دولابی	سنہ ۲۲۴	سنہ ۳۱۰
۶- محمد بن بشار بندار	سنہ ۱۶۷	سنہ ۲۵۲	۱۴- ابن عدی	سنہ ۲۷۷	سنہ ۳۶۵
۷- ابوحاتم رازی	سنہ ۱۹۵	سنہ ۲۷۷	۱۵ دارقطنی	سنہ ۳۰۶	سنہ ۳۸۵
۸- امام بخاری	سنہ ۱۹۴	سنہ ۲۵۶			

امام بخاری کی وفات کا واقدی کی وفات کے پچاس برس بعد واقع ہونا ان دونون کی معاصرت کی نفی کی دلیل نہین، معاصرت کا حساب دونون کی زندگیون کے کم و بیش ایکساتھ ہونے سے لگایا جاتا ہے نہ موت سے، واقدی نے سنہ ۲۰۷ھ مین وفات پائی اور امام بخاری سنہ ۱۹۴ مین پیدا ہوئے ہین، اسلیے وہ اس وقت ۱۴ برس کے طالب علم تھے، اور واقدی کے ذاتی اوصاف کے دیکھنے والے اور جاننے والے تمام درسگاہون مین موجود تھے، امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ صغیر مین جو کچھ لکھا ہے اسکا مطلب ہے، انھون نے واقدی کے متعلق لکھا ہے (ص ۲۲۰ - الہ آباد) ترکوہ یعنی لوگون نے اس کو چھوڑ دیا ہے، یہ ظاہر ہے

کہ یہ وہی لوگ ہوسکتے ہین جو امام بخاری سے پہلے کے تھے یا انکے زمانہ مین تھے، پہلی صورت مین یہ چھوڑنے والے خود واقدی کے معاصرین ہونگے اور دوسری صورت مین کچھ معاصر ہونگے، اور کچھ معاصرین سے سننے والے ہونگے اس سے ثابت ہوا کہ بخاری کے مرنے سے واقدی کا پچاس برس پہلے مرجانا، بخاری کی واقدی سے عدم واقفیت کی دلیل نہین ہوسکتی، خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہوگا کہ وہ بچپن سے تحصیل علم مین مصروف ہوگئے تھے اور واقدی کی وفات کے دو برس بعد ہی وہ عرب جانے کے لیے عراق پہنچ چکے تھے،

بہر حال موافقین کی ولادت کی تاریخین چونکہ کمتر معلوم ہین اسلیے واقدی المتولد سنہ ۱۳۰ اور المتوفی سنہ ۲۰۷ کے ہمعصرین کا حال پورے یقین سے نہین معلوم ہوسکتا، تاہم مخالفین کی تاریخون کی نظیر سامنے رکھکر یہ کہا جاسکتا ہو کہ سنہ ۲۵۰ تک جس نے وفات پائی ہے، اس نے واقدی کا زمانہ پایا ہے، اس لحاظ سے موافقین مین سے نمبر ۷ تک یعنی عباس عنبری تک اسکے معاصرین مین ہین، اور تین متاخرین،

مخالفین مین امام شافعی المتولد سنہ ۱۵۰، یحیی بن معین المتولد سنہ ۱۵۸، احمد بن حنبل المتولد سنہ ۱۶۰، علی بن المدینی المتولد سنہ ۱۶۱ اسحاق بن راہویہ المتولد سنہ ۱۶۱، بندار المتولد سنہ ۱۶۷ جیسے جلیل القدر ائمہ فن ہین جنھون نے اوسکی ہمعصری کا زمانہ پایا ہے اور کم از کم ۷ برس سے ۴۷ برس تک اس سے انکی معاصرت قائم رہی ہے، واقدی کی وفات کے وقت امام بخاری کی عمر ۱۴ برس کی تھی، جیسا کہ ابھی کہا گیا، ابوحاتم رازی کی عمر اس وقت ۱۳ برس کی اور ابو زرعہ رازی کی عمر ۷ برس کی تھی، اور اس وقت واقدی کا چرچا درس کے ان حلقون مین کافی موجود ہوگا جنمین جاکر وہ بیٹھے، بقیہ اشخاص کی رائین ذاتی تجربہ پر نہین بلکہ واقدی کے مجموعون، اور اپنے ان شیوخ کی آرا پر مبنی ہین جنھون واقدی کو خود دیکھا یا واقدی کے دیکھنے والون کو دیکھا تھا، البتہ ابوبشر دولابی، ابن عدی اور دارقطنی کی رائین، اس کے متعلق اسکے پیشرو علما، اور بعد کے اکابر کے اختتامی فیصلہ پر مبنی ہین، اسلیے واقدی کے معاملہ کے متعلق یہ اصول صحیح نہ ہوگا کہ جب کسی شخص کے خود معاصرین اسکو علی سند تسلیم کرین تو بمشکل مناسب ہوگا کہ بعد کی نسل کے بتیاؤ جنیس کی دلیل رایون کی بنا پر اس کو جھوٹا کہکر بدنام کیا جائے۔

واقدی کے مخالفین اور موافقین کی جیسی ترازو کا فیصلہ دو اور پاسنگ سے بھی ہوسکتا ہے، ایک ان کے

فضل وکمال، جمہور اہل عصر میں ان کے اعتبار واستناد، اور انکی شہرت اور عزت کی بنا پر، چنانچہ آپ خود فیصلہ کر سکتے

ہیں، کہ بحیثیت ایک سچے طالب العلم اسلام کے ان دو جماعتوں میں سے آپ سب سے زیادہ کس سے واقف

ہیں، اور اسلامی لٹریچر میں کس کے نام کو اہمیت اور کس کی رائے کو وقعت حاصل ہے، امام شافعی امام بخاری

علی بن مدینی، ابن حنبل، ابن معین اور ابن راہویہ کو یا واقدی زبیری، مسیبی، یزید بن ہارون اور عنبری کو،

دوسرا ترجیحی معیار یہ ہے کہ واقدی کا ابتدائی زمانہ گو مدینہ میں گذرا، لیکن اسکی عمر کا بڑا حصہ بغداد میں بسر

ہوا، اور وہین اس کو شہرت حاصل ہوئی، اس بنا پر ان ائمہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہے جو بغداد اور عراق مین

عموماً سکونت رکھتے تھے، یا اکثر آتے جاتے تھے، اس حیثیت سے ان دونوں جماعتوں کا یہ حال ہے، کہ

واقدی مدینہ مین رہے ۲۰۷ھ مین وفات پائی اور بغداد آ کر واقدی مین جو خاص انقلاب ہوا اور جو

انکی موت سے کم از کم ۲۲ برس بعد تک رہا، اسکی واقفیت سے وہ قطعاً محروم رہے، اسلیئے ان کی رائے واقدی

کی صرف مدنی زندگی تک محدود ہے، بقیہ مین ایک زبیری البتہ بغداد مین رہتے تھے، ابن نمیر کوفہ مین اور

یزید بن ہارون واسط مین رہتے تھے، مگر مخالفین کو دیکھو کہ ان مین بیشتر اصحاب یا بغداد ہی مین رہتے تھے

یا بہت دنون تک مدینہ اور بغداد دونون مین رہے تھے، چنانچہ احمد بن حنبل، اور یحیی بن معین خاص بغداد

کے تھے، علی بن مدینی مدینہ اور بصرہ مین تھے، بندار بصرہ اور بغداد مین سکونت رکھتے تھے اسحاق بن راہویہ

عراق ہی مین سکونت پذیر تھے، امام شافعی مدینہ مین رہے اور بغداد بھی آتے رہے، نتیجہ صاف ظاہر ہے،

نفسیات ترغیب

مصنفہ پروفیسر وہاج الدین صاحب اورنگ آباد کالج

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کیلئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہیں اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہیں، اسکے نفسیاتی اصول

کیا ہیں اس کتاب میں انھیں اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ میں ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اسلئے تاجر،

مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلاء سبکو اس کتاب کی ضرورت ہے قیمت عہ

نفسیاتِ جذبات

از

جناب احمد عبد الولی صاحب بی اے (عثمانیہ) حیدر آباد دکن

کوئی مہذب سوسائٹی، کوئی اعلی بزمِ صحبت، کوئی نامنصفانہ معرکہ، کوئی ظالمانہ رزم، کوئی مذہبی اجتماع، کوئی معاشری مناقشہ ایسا نہیں جنمین جذبات کی کارفرمائی نہ ہو، جہان تک زندگی کا تعلق ہے جذبات کی ہمہ گیری سے مفر کی راہ نہیں، زندگی کے ہر دور مین، عمر کی ہر منزل مین ایام زیست کے ہر لمحہ مین جذبات کا استیلا رقائم رہتا ہے، تاہم جب کبھی ہم "جذبات" کا لفظ بولتے یا سنتے ہیں تو بجائے اس کے کہ کوئی خاص مفہوم ہماری سمجھ مین آئے، غم وغصہ، خوف وخوشی، امید وبیم، شادی وراحت کی مختلف ومتفاوت صورتین ہمارے آئینۂ ذہن پر منعکس ہوتی ہین، لیکن اتنا ضرور ہے کہ جذبات کی انھین مختلف ومتفاوت صورتون مین سے ہر ایک مین کوئی نہ کوئی بات مشترک ہے جس کے سبب سے ان سبھون پر ایک ہی صورت سے جذبات کا اطلاق ہوتا ہے،

(Introspection) مشاہدۂ باطن کی رو سے ہم کہہ سکتے ہین کہ جذبہ "ذہن کی حالتِ اختلال کا نام ہے" مگر جو تعریف مشاہدۂ خارجی کی رو سے کیجائے وہ شاید زیادہ بہتر ہوگی، کیونکہ کسی جذبہ مثلاً غصہ کو لین، اور اسکی ماہیت پر غور کرین تو معلوم ہوگا کہ وہ بہ نسبت ذہنی حالت کے زیادہ تر کسی فرد کی جسمانی حالت ہوگی، اسلیے ذہنی حالت کے بجائے فرد کی جسمی حالت کہی جائے تو جذبہ کی تعریف نسبتہً بہتر ہوگی، خلاصہ یہ ہے کہ "جذبہ فرد کی ایسی جسمی حالتِ اختلال کا نام ہے جس کا شعور ہوتا ہے" یہ تو نہین ہوسکتا کہ کوئی شخص حالت غضب مین ہو اور اس حالت کو معلوم

نہ کرسکے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ فرد کی عضوی حالت مین اختلال ہو، اور اسکی ذہنی حالت بلاکسی خلل کے مطمئن ہو،

جذبہ، غم وغصہ، خوف وخوشی کے عمل واحساس دونون موقعون پر استعمال ہوتا ہے، اسکی وسعت غیر معمولی طور پر زیادہ ہے، مدرکہ شعور کی ادنی صورتون سے لیکر تخیل وتصوریت کی اعلیٰ فعلیتون تک جذبہ کی اصل صورت ایک ہی ہے، اس خصوص مین کیا بچہ! کیا جوان! کیا بوڑھا! سب برابر ہین مثلاً بچہ کھلونے کے توڑ دینے سے چلا اوٹھیگا، جوان آدمی گالی کھا کر غضبناک ہوگا، اور سن رسیدہ انسان اپنی بات تسلیم نہ کرنے پر بگڑ بیٹھیگا، یہان تک کہ بڑے بڑے اولیا، اوتار، مرتاض وزہاد، بھی کلیۃً غضب سے خالی نہ تھے، اسی طرح غصہ کی تحریک کے کئی مختلف اسباب ہو سکتے ہین، لیکن عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ خواہ کسی قسم کی رکاوٹ یا مخالفت ہو غصہ پیدا کرے گی، مثلاً کتے یا کسی اور جانور کے بچہ کو چھیڑنا یا کھاتے وقت خلل انداز ہونا یا اسکی دم پکڑ کر کھینچنا غصہ پیدا کرے گا، غرض غصہ کے محرکات عام ہوتے ہین، کوئی خاص قسم ان محرکات کی نہین ہوتی، اور جذبی کردار بھی جنہین جذبات پیاپے ظاہر ہوتے ہین، اپنی نوعیت مین عام ہوتا ہے، غضب ناک کتے کے کردار مین عموماً اس کے جسم کا خاص انداز، دانتون کا باہر نکالنا، پے درپے بھونکنا، اور کاٹنے کے لئے دوڑنا، یہی باتین دیکھی جاتی ہین،

جذبی حالات کی دو اصلیتین (Origins) ہین، جنہین امتیاز پیدا کرنا نہایت ضروری ہے، کبھی تو مقررہ ادراکات یا خیالات جذبہ کا باعث ہون گے جیسا کہ اچھی خبر خوشی کا جذبہ طاری کرتی ہے، اس کے برخلاف کبھی عضوی تغیرات جذبہ پیدا کرتے ہین مثلاً الکحل یا کسی دوسری دوا کے استعمال سے ایک جذبی حالت انسان پر طاری ہوتی ہے اور پھر انسان کا مزاج تندرستی کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، ایک قوی وتندرست آدمی کی جو خوش گوار زندگی ہو سکتی ہے، وہ ایک کمزور ودائم المرض شخص کی ہرگز نہین ہو سکتی، یہ ایک عام واقعہ ہے کہ معمولی سی بات پر بیمار آدمی چراغ پا ہوتا ہے اور صحیح وتندرست آدمی پر اس بات کا کوئی اثر نہین پڑتا،

جذبہ اور کیفیت جذبی مین بھی فرق کرنا چاہیئے، جذبہ تو کسی مقررہ موضوع سے متعلق ہوتا ہے، لیکن عام حالت بیقراری مین جو جذبی کیفیت نیند کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے ظاہر ہوتی ہے کوئی متعین موضوع نہین رکھتی، بلکہ ایک موضوع سے دوسرے پر گذرتی رہتی ہے، اکثر اوقات آپنے دیکھا ہوگا کہ وہ شخص جو صبح سویرے بدمزگی سے اٹھا ہو ہر پیش آنے والی بات سے، ہر واقع ہونے والی شے سے مشتعل ہوتا رہیگا، اسی طرح ایک جذبی کیفیت خواہ اصلیت کچھ ہی ہو ایک دفعہ مشتعل ہونے کے بعد باقی رہتی ہے، اور ہر پیش ہونے والے موضوع پر بھڑک جاتی ہے، جذبہ کی ایک اور ماہیت بھی ہے جسکو صورت اضافی (Parioitical) کہا جاتا ہے،

اوپر جن جذبات کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض عام عضوی تغیرات کی وجہ سے یا مقررہ ادراکات یا خیالات کے باعث وجود پذیر تھے، ان کے علاوہ بعض جذبات اور ہین جو عام حالات اور مواقع کی بنا پر پیدا ہوتے ہین، یہ جذبات عموماً ثانوی درجہ کے مظاہر ہین، اور خاص خاص میلانات کے سبب سے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً کسی کتے کے منھ سے ہڈی چھین لیجائے تو اس کے غصہ کا اظہار مخصوص بھوک کی جھنجھلاہٹ کا پتہ دیتا ہے، اسی طرح کتیا کا اپنے پلون کی چھیڑخانی پر غضبناک ہونا بچون کی پرورش اور حفاظت کے میلان اولین کو ظاہر کرتا ہے،

جذبہ کی اہم ترین ماہیت، جسمانی تغیرات ہین جو جذبہ کی حالت مین ظاہر ہوتے ہین اور جذبہ کا نہایت ہی لازمی وضروری جزو ہین، انھی جسمانی تغیرات پر جیمس اور لینگ دو بڑے ماہرین نفسیات نے اپنے نظریون کی بنیاد قائم کی ہے، ہمارا ہر روز کا تجربہ جو فہم عام (Common sence) کے بالکل مطابق ہے، یہی بتاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑا کانپ رہا ہے تو اس وجہ سے کہ وہ خائف ہے، اگر کوئی آنسو بہا رہا ہے تو اسلیے کہ وہ غمزدہ ہے لیکن مسٹر جیمس اس ترتیب واقعات کو بدل کر یہ کہتے ہین کہ حقیقت مین ایسا نہین ہوتا بلکہ یون سمجھنا چاہیئے کہ "اگر ہم خوفزدہ ہین تو اس لئے کہ

کانپتے ہیں اور اگر غمزدہ ہیں تو اسلیے کہ رو رہے ہین" مسٹر جیمس کا یہ قول بظاہر ناظرین کو نہایت ہی مستبعد اور بعید از قیاس معلوم ہو گر ذرا غور اور تامل سے دیکھین تو معلوم ہوگا کہ جذبہ مین ایک ذہنی حالت فوراً دوسری ذہنی حالت سے متاثر نہین ہو سکتی اسلیے ان دونون حالتون کے مابین جسمانی تغیرات ضروری طور سے واقع ہونے چاہئین اس سے جیمس کی مراد یہ ہے کہ خوف کھانے کی شعوری حالت کانپنے اور تھرانے کے احساسات (Sensations) سے ملکر بنتی ہے، جسمین دیگر عضلات اور غدودی جوابات کے احساسات بھی شامل ہوتے ہین، یون سمجھیے کہ کسی خطرہ کی محض واقفیت جبتک کہ وہ کپکپی اور اسی قسم کی دوسری علامتین پیدا نہ کرے اور اس کے (Sensation) احساسات معلوم نہ ہون خوف کی تبدیل حالت نہین ہوتی بغیر ان جسمانی حالات اور تغیرات کے جو کسی جذبہ کا رد عمل (Re action) پیدا کرنے والے خارجی واقعہ کے ادراک کے بعد ہونگے، خوف زدگی بلا کسی جذبہ کے ایک زرد بیرنگ واقفیت رہجائیگی، فرض کیجیے کہ اس حالت مین اگر کوئی شخص کہین جنگل مین زندہ شیر دیکھ پائے تو یہی مناسب سمجھیگا کہ کسی طرح بھاگ جائے اور اگر کسی نے بے حرمتی کی ہو تو انتقام کا منصوبہ باندھے لیکن فی الحقیقت ان افعال مین نہ تو کوئی گھبراہٹ ہوگی اور نہ کسی قسم کا غضب ہی دکھا جائے گا"

گو نظریہ جیمس اپنی جگہ پر کتنا ہی عسیر الفہم کیون نہ ہو، مگر اتنا صحیح ہے کہ اسنے تمام دنیائے نفسیات مین کھلبلی مچا دی ہے، بعض تو اس کے سر سے منکر ہین، بعض نیم رضامند ہین، اور بعض آمادۂ تسلیم ہین اور فی زمانا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اکثریت اسکو مانتی جاتی ہے، جیمس کے اس نظریہ پر جو مختلف اعتراضات کیے گئے ہین حقیقت یہ ہے کہ وہ یا تو بالکل سطحی ہین، یا غلطی پر مبنی ہین اور ان کی جواب دہی مین کوئی دشواری نہین، نیز ہم ان اعتراضات کو جوابات کے ساتھ ساتھ ذیل مین قلمبند کرتے ہین،

پہلا اعتراض یہ کیا گیا ہو کہ گو جذبہ کی حالت مین اختلال جسمانی ظاہر ہوتا ہے لیکن جسمانی اختلال کو کسی طرح بھی جذبہ نہین کہہ سکتے کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر تپھر جو پانی مین گرتا ہے اسمین

یقیناً تموج پیدا کرتا ہے اور وہ تموج اس کے گرنے کیساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے، اور ان دونون واقعات کے مابین ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہین ہوتا تاہم تپھر کو کبھی تموج نہین کہہ سکتے اور نہ تموج کو تپھر کہہ سکتے ہین، اس اعتراض کے متعلق اتنا کہدینا کافی ہے کہ جیمس یہ کبھی نہین کہتا کہ جسمانی اختلال ہی تجذبہ ہے بلکہ اس کا کہنا صرف اتنا ہے کہ اختلال جسمانی صورت جذبہ کا ایک اہم جزو ہے، اور بس، پس اس اعتراض کی کمزوری ظاہر ہے،

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر جذبہ اختلال جسمانی کا شعور ہے، تو پھر کیون ایک ہی جذبہ مختلف افراد مین مختلف طور پر اور مختلف حالات مین ایک ہی فرد پر مختلف صورتون سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً جب خوف کا جذبہ طاری ہوتا ہے، بعض یکایک چلا اٹھتے ہین، بعض اٹھ کھڑے ہوتے ہین اور بعض لوگون کو سکتہ ہو جاتا ہے، اور بعض رو پڑتے ہین۔ اسکی جواب دہی کی دو صورتین ہونگی،

(ا) پہلی تو یہ کہ خوف (سکتہ ہونے، کھڑے ہو جانے، رونے یا چلانے) کی صورتون مین سے ہر ایک مین ایک ہی احساس نہین رکھتا، کیونکہ جسمانی اختلال کی نوعیت بھی چلانے کی صورت مین اس صورت سے مختلف ہوگی جو بھاگ جانے یا رو پڑنے کی صورت مین ہوتی ہے، علی ہذا خوف سے زرد پڑ جانے کی صورت سکتہ کے عالم سے متمائز ہوگی،

(ب) دوسری یہ ہے کہ بفرض محال اگر خوف کی مختلف مثالون مین سے ہر ایک مین لازمی طور سے ایک ہی احساس یا کیفیت پائی جائے تو اس کے لیے اختلال جسمانی کا ایک ایسا اندرونی حصہ (Core) اس سے قبل فرض کرنا ہوگا جو تمام حالتون مین جزو مشترک کی حیثیت سے رہتا ہے، اور ہر کامل جذبہ کی حالت مین ایک ہی اختلال جسمانی پیدا کرتا ہے مگر یہ فرض سرے سے بے بنیاد و غیر ثابت ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مختلف و متفاوت جذبات اکثر ایک صورت مین ظاہر ہوتے ہین، جسکی نظریۂ جیمس کے ذریعہ توجیہ نہین ہو سکتی، جس طرح انسان وفور غم سے رو پڑتا ہے اسی طرح انتہائی خوشی مین آنسو بہاتا ہے، بعض لوگ حالت خوف کی طرح غصہ مین بھی زرد پڑ جاتے ہین، اور جہان کثرت غم کی وجہ سے

مرگ مفاجات دیکھی جاتی ہے، وہان شادی مرگ بھی ایک نمایان حقیقت رکھتی ہے"؟ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ جہان جذبی کیفیتین فی الحقیقت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہین، اور ان کے مظاہر مین گونا گونی دیکھی جاتی ہے، یہ اختلافات اختلال عضوی کے اندرونی حصہ کی وجہ سے سرزد ہوتے ہین جو مختلف حالات مین مختلف ہوتا ہے، اور جن صورتون مین ایک جذبہ کا جسمانی اختلال دوسرے جذبہ کے جسمانی اختلال سے مطابق ہوتا ہے، جو اکثر حالتون مین حقیقتہً دیکھا جاتا ہے، وہان اس بات کا یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ یکسانی اور مطابقت ظاہری ہوتی ہے، اندرونی نہین ہوتی، جسکی بنا پر ہر فرد انسان بخوبی جان سکتا ہے کہ وہ انتہائی قہر و غضب کی حالت مین ہے یا کسی رنج و محن مین، یعنی یہ کیفیت کسی دشمن کے درپے تضحیک ہونے کی وجہ سے ہے، یا کسی عزیز کے انتقال پر ملال کے باعث، اس کے علاوہ بظاہر دیکھنے والون کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی جواب (Internal Response) غصہ اور خوف کی ہر دو حالتون مین (اگر وہ حالتین قوی اور زبردست ہون) ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اگر تہ کی بات پہچانین تو معلوم ہوگا کہ خوف کسی خطرے سے بچنے کا تہیج ہے اور غصہ کسی پر جھپٹنے یا حملہ کرنے کا، اس مین شک نہین کہ عضوی حالات ہر دو صورتون مین بالکل مشابہ ہین، لیکن تیاری ایک حالت کی دوسری حالت کے مقابلہ مین بالکل مختلف ہوتی ہے، چنانچہ غصہ کی عضوی حالت کبھی بچاؤ کا میلان نہین پیدا کر سکتی، اور نہ خوف کی عضوی حالت لڑائی کے میلان کا باعث ہوتی ہے، کیونکہ یہ دونون میلانات باوجود عضوی حالات کی مشابہت کے اس قدر مختلف ہین کہ یہ خطرناک یا موضوعِ مخالف کے درک کیساتھ ہی مشتعل ہو جاتے ہین اور ان کی ترتیب مین پہلا جواب (Response) وہ ہوتا ہے جو ہماری طرف سے کسی خوفناک شئے مثلاً شیر یا کسی وحشی درندہ کو دیکھنے کے بعد دیا جاتا ہے، دوسرا جواب وہ ہے جو خوفناک محل کی واقفیت کے بعد دیا جاتا ہے، تیسرا جواب بچاؤ کی تیاری ہے، چوتھا جواب فوری بچاؤ نہ ہونے کی صورت مین اندرونی استعدادی ردّ اعمال (Preparatory Reaction) بیرونی منظری حرکات اور ان حرکتون سے

جو بچاؤ کی تحت مین اختیار کئے گئے ہون مرکب ہوتا ہے، پانچوان جواب شعوری اختلال کی حالت ہے جسمین تمام استعدادی ردِّ اعمال کے حسیات بھی شامل ہین، چھٹا جواب تعین کے ساتھ بچاؤ کا ردعمل ہے اور ساتوان یعنی آخری جواب اطمینان و رہائی کا ہوتا ہے،

چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ بعض دفعہ کسی جذبہ کا ظہور اختلال جسمانی سے پہلے ہوتا ہے اور قبل اس کے کہ اختلال جسمانی رفع ہو جذبہ خود کافور ہو جاتا ہے، اگر کسی شخص پر کتا اچانک حملہ کر بیٹھے تو اس شخص مین بظاہر اختلال جسمانی سے پہلے گھبراہٹ پیدا ہوگی اور جب وہ یہ دیکھے گا کہ کتا اسکی ذات تک پہنچنے سے قاصر ہے، تو خوف فوراً دل سے جاتا رہے گا، مگر جسمانی گھبراہٹ کچھ دیر ضرور باقی رہے گی" نظریہ جیمس کی رو سے اس کا جواب بھی دو طرح سے دیا جا سکتا ہے،

۱۔ پہلے تو یہ کہ بعض بنیادی اندرونی عضوی تغیرات بیرونی جسمی مظاہر (Manifestation) سے قبل ظاہر ہوتے ہین اور خوف کے ابتدائی ظہور کی خبر دیتے ہین، اور یہی اندرونی تغیرات اس واقفیت کے بعد کہ موجودہ حالت مین کتے کا نقصان پہنچانا بالکل بعید از قیاس ہے رُک جاتے ہین جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوف ہوا ہو جاتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب تک زیادہ سے زیادہ جسمانی اختلال غائب نہ ہولے خوف حقیقت مین غائب نہین ہوتا، گو خوف کی کیفیت بدل جاتی ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ خوف باقی رہتا ہے، اکثر صورتون مین یہ بات درپیش ہوتی ہے کہ خوف کسی اور جذبہ کو اپنا قائم مقام بناتا ہے، جو جذبۂ طمانیت ہے اور جو اپنے دورے مین بعض خاص عضوی تغیرات اور اختلافِ تنفس وغیرہ کے ہمراہ ہوتا ہے،

پانچوان اعتراض جن لوگون نے جیمس کے نظریہ کی مخالفت مین کیا ہے، اس کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ انھون نے جذبہ کو تہیج سے خلط ملط کر دیا ہے، ان کے نزدیک خوف "خطرہ سے بچاؤ کی خواہش" اور غصہ "محرکِ غضب پر حملہ کی خواہش ہے"؛ ان کے اذعان مین جذبہ ایک قسم کی پُر خلل جسمانی حالت نہین، بلکہ محض ایک میلان یا تہیج (Impulse) کسی فعل یا نتیجہ کی طرف ہے جس کو وہ

اندرونی شعور کی صورت تصور کرتے ہین، لیکن یہ خیال صریحی غلط ہے اس لیے کہ بچاؤ کا میلان تو خطرہ کے ادراک
کے ساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے، وہ نہ تو کسی کے پھریری لینے پر منحصر ہوتا ہے اور نہ بخوف ہونے پر، چنانچہ ہم بعض
اوقات قبل اسکے کہ خوف کی کپکپی محسوس کرین، دفعیہ ردّ اعمال کر بیٹھتے ہین اور ان کے بعد کہیں خوف
طاری ہوتا ہے اور کانپنے لگتے ہین، بعض وہمی آدمی تو بلا وجہ خائف ہوتے ہین پھر بعد مین اپنے خوف
کو کسی نہ کسی غیر متعلق چیز سے ضرور منسوب کردیتے ہین، اگر کوئی ڈراؤنی تصویر یا تیرہ[13] کا ہندسہ جو عوام
کے نزدیک منحوس ہے ان کے سامنے آجائے تو ان کے قیاس مین جذبۂ خوف کی علت تامہ ہوگا،
لہذا اگر محض خوف کا جذبہ خطرہ سے بچاؤ کا تہیج ہے، تو ہمارا خطرہ کی واقفیت سے پہلے اپنا تحفظ اور بچاؤ کرنا
بالکل بے معنی اور لغو ہوگا، اس کے علاوہ علم النفس نے حال ہی مین جذبہ اور تہیج مین نمایان فرق
قائم کیا ہے، شعوری نقطۂ نظر سے کہا جاتا ہے کہ "جذبہ ایک طرح کا احساس ہے" اور تہیج "کچھ کرنے
کی خواہش" پھر کرداری نقطۂ نظر سے بیان کیا جاتا ہے کہ "جذبہ ایک عضوی حالت ہے" اور تہیج
"مراکز عصبی کی کسی ردعمل کی طرف تیاری" ماسوا اس کے تہیج ایک شعوری میلان ہے، چونکہ جذبہ
اور تہیجات اکثر ساتھ ساتھ موجود ہوتے ہین اسلیے بعض ماہرین نفسیات کو دھوکا ہوا، ورنہ دونون
کی نوعیت مین بہت بڑا فرق ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اب تک جتنے اعتراضات بھی جیمس کے نظریہ کی
مخالفت مین وارد کئے گئے ہین یا تو ان کی جواب دہی کسی نہ کسی طرح ہوسکتی ہے، یا وہ کوئی ایسی اہمیت
نہین رکھتے جس کے لیے جواب دینے کی زحمت گوارا کیجاوے، چونکہ عموماً جس طرح سیاہی، سفیدی
کو یا ظلمت نور کو نمایان کرتی ہے، کوئی اور شے واضح نہین کرسکتی، اسلیے ہمنے نظریۂ جیمس کے اعتراضی
وجوابی ہر دو پہلو ایک ساتھ دکھائے ہین، مگر ان اعتراضات سے باز آنے پر بھی چند ایسے واقعات
ہمارے پیش نظر ہین جنسے کوئی ماہر نفسیات (Psychologist) قطع نظر نہین کرسکتا، کہا
جاتا ہے کہ اسٹرمپلس (Strumpells) نامی ایک شخص تھا جس کے ایک بیٹے کے جملہ

آلاتِ حس بجز ایک آنکھ اور کان کے ایامِ طفولیت ہی سے بے کار تھے اسلیے خوبی کا مکمل احساس اس کے
لیے قریب قریب مفقود تھا، اور تقریباً تمام احساسی تہیجات ناپید ہوچکے تھے تاہم وہ غم اور شرمندگی
کے جذبات کا اظہار کرنے پر قادر تھا، اب بیان پر دو باتون کا امکان ہوسکتا ہے، یا تو وہ چند ردِ
اعمال سے جو ایک آنکھ اور کان سے متعلق تھے سطحی طور پر (SUPERFICIALLY) گذر جاتا تھا
یا یہ کہ حقیقت مین اس پر جذبات بھی طاری ہوتے تھے، مگر اس قسم کی مثالون مین آخری صورت کی
بہت کم توقع کیجاتی ہے، کیونکہ جب تک خوبی کا احساس پیدائش ہی سے مکمل نہ ہو محض گذشتہ تجربات
کا کافی حافظہ اگر کسی فرد پر اصلی جذبہ طاری کرسکتا ہے تو وہ جذبہ نہایت ہی کمزور ہوگا، اس کے علاوہ
ایک اور عالمِ نفسیات مسٹر شیرنگٹن نامی نے کتون پر نفسیاتی تجربے کیے تھے جسمین انھون نے جسمانی
قطع و برید سے بھی کام لیا تھا، یعنی ان کتون کے نخاع (SPINAL CORD) ٹھیک
(MEDULLA) نخاع مستطیل کے نیچے تک کاٹ دیئے تھے اسی طرح معدہ، شش اور دل کو علیحدہ کرنے
کے بعد بھی احساسی تہیجات غائب نہ تھے اور ان کتون کے سر اور آگے کے آلات حس سے جذباتی
مظاہر نمایان ہوتے تھے، اسلیے مسٹر شیرنگٹن کا یہ خیال ہے کہ "عضوی کاروائی جذبی شعور کا کوئی لازمی
جزو نہین"، لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہین ہے، کیونکہ نہ معلوم نخاع اور دیگر اعصاب کی
قطع و برید سے کتنا جذبی جسم قطع ہوتا ہے اور کتنا باقی رہتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ریڑھ دار
حیوانات کیون بعض جبلی ردِ اعمال سے بالکل محروم سمجھے جائین، جنکی فعلیت کے لئے نخاع کے کاٹ
دیئے جانے کے بعد بھی آنکھ، ناک، منھ، کان، چہرہ وغیرہ تجربہ کی حالت مین صحیح و سالم رہتے ہین، اور وہ
دماغ کو تہیجات پہنچا سکتے ہین، ہیکلس اور ہولمز (HEACLES&HOLMES) کے تجربی نتائج بھی
ہمارے خیال کی تائید کرتے ہین، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ سریرہ (THALMUS) جذبات
کے مظاہر مین لازمی طور سے متعلق ہوتی ہے اور یہ کہ غلاف (CORTER) اس پر حکم امتناعی

کا اثر رکھتا ہے" اکثر علمائے نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ ابتدائی جذبات صرف غصہ، خوشی، تجسس، شہوت، امید وبیم ہین جو کبھی تجربے اکتساب نہین کئے جاسکتے بلکہ صرف خلقی ساخت یا اندرونی بناوٹ کے سبب سے ظاہر ہوتے ہین یا وہ محض ذہنی حالتین ہین یا کردار مین داخل ہونے کی وجہ سے جبلتون کے مشابہ ہین، غرض جذبہ وہ شعوری حالت ہے جس کے ضروری خصوصیات بعض عضوی تغیرات اور اندرونی حرکی جلدی تجربات ہین،

ایک فرق جذبی اور جبلی کردار مین یہ پیدا کیا جاسکتا ہے کہ جذبہ اندرونی جوابات (INTERNAL RESPONSES) پر مشتمل ہوتا ہے" اور جبلت باہر کی طرف راجع ہوتی ہے، یا کم سے کم جبلی افعال کو کسی بیرونی مقصد پر محمول کرتی ہے، جذبہ جبلت دونون صورتون مین جزء مشترک ایک بنیادی ابتدائی تہیج اور ناقابلِ مدافعت حقیقت ہوتی ہے" اس کے علاوہ کئی ابتدائی جذبات (PRELIMINARY EMOTIONS) خاص خاص جبلتون سے پیوستہ ہین، خوف کا جذبہ خطرہ سے بچاؤ کی جبلت سے، غصہ کا لڑائی کی جبلت سے، شہوت کا رجولیت کی جبلت سے ملا ہوا ہوتا ہے" اور اسی طرح جذبۂ تجسس تفتیشی جبلت کا جوڑ ہے، جہان کہین جذبہ ہوتا ہے وہین فعل کی طرف ایک میلان پایا جاتا ہے، جو کسی اتمامی نتیجہ پر پہنچاتا ہے،

ڈاکٹر میکڈوگل نے اپنی کتاب نفسیات مین یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ:-

ابتدائی جذبہ محض جبلت کی ایک احساسی (EFFECTIVE) صورت ہے اور یہ کہ ہر جبلت اپنا مخصوص جذبہ اور ایک خاص کیفیت رکھتی ہے لیکن کسی جذبہ کو جبلت کے عمل کی احساسی صورت سے مطابق کرنے مین ابھی تک تین اہم حقائق غیر واضح ہین جنکی نظریہ میکڈوگل کے لحاظ سے کوئی توجیہ نہین کیجاسکتی،

(الف) پہلے تو یہ ہے کہ جبلت بغیر کسی جذبہ کو مشتعل کئے خود مشتعل ہوسکتی ہے" اور کردار کو بھی مشتعل کرسکتی ہے جو اسکی خصوصیت ہے،

(ب) دوسرے یہ ہے کہ ایک جذبہ کی تحت مین صرف ایک ہی جبلت نہ ہوگی بلکہ کئی جبلتین ہونگی

(ج) تیسری بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی جبلت مختلف جذبات کے نظامات مین مرتب نظر آئے گی،

پہلی صورت مین وہ سادہ جبلتین جو کھڑے رہنے، چلنے وغیرہ مین کام آتی ہین خارجی حیثیت سے کسی جذبہ سے ملی ہوئی نہین ہوتین اور نہ کسی جذبہ کا اشتعال ان کے ہمراہ ہوتا ہے، مگر جس طرح نقل و محاکات کے اندرونی میلانات اپنے تہیجات رکھتے ہین اسی طرح جبلتین بھی اپنے مخصوص تہیجات رکھتی ہین،" اور جب ہم شاخ در شاخ جبلتین جو ابتدائی جذبہ کے مماثل نظر آتی ہین، غور سے دیکھتے ہین تو ان مین ایک یا دوسری جبلت جذبہ سے بطور خلقی کے ملی ہوئی ہوتی ہے چنانچہ لڑنے کی مختلف جبلتین جانورون کے غصہ سے پیوستہ ہوتی ہین

اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ جبلتین بعض دفعہ مشتعل ہوتی ہین تو بغیر جذبات کو ابھارنے کے خصوصی کردار کو اشتعال دیتی ہین، مثلاً جب ہمارا کسی وحشت ناک مقام پر گذر ہوتا ہے تو بعض دفعہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم خود بخود خوف کا مقابلہ کرتے ہین، تیزی، دلجمعی، و طمانیت سے پر سکوت حرکات کو عمل مین لاتے ہین اور آخر مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام وحشت سے بلا کسی تاثر جذبہ کے چلتے پھرتے نظر آئے، یہ اک بات ہے کہ ہم اکثر گذشتہ دہشت انگیز واقعات کا خیال کرکے جذبہ محسوس کرتے ہین، یہی نہین بلکہ بعض موقعون پر تو بغیر کسی جذبہ کے لڑ بھی سکتے ہین، دراصل ہوتا یہ ہے کہ چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے دوڑنے بھاگنے کی حالت مین چونکہ حرکات جلد جلد صادر ہوتے ہین اسلیے ہمین جذبہ معلوم کرنے کا کوئی موقع ہی نہین ملتا،" اس کے برخلاف حالت سکون مین ہم انتہائی جذبہ معلوم کرتے ہین مثلاً کسی ایسے مقام پر جہان سے ہماری رہائی کا خیال ہی نہین ہوسکتا ہے انتہا خوف ہم پر طاری ہوجاتا ہے، کسی جبلت کی بازداشت وہ شے ہے جو اکثر اوقات اس کے ساتھ والے جذبہ کو بار بار ابھارتی ہے" اس لیے ہم عموماً جبلی کردار کے واقع ہونے سے قبل ہی زیادہ جذبہ محسوس کرتے ہین، غرض ایک جبلت کے آغاز عمل کے لیے یا کم سے کم اس کے شعوری ہونے کے لیے

جذبہ کی کوئی ضرورت نہین، صرف تہیج کی ضرورت ہے، جس کے بغیر عمل جبلت محض ایک اضطراری مرکب رد عمل ہو گا،

دوسری صورت مین اگر کوئی جبلت مشتعل ہو تو بغیر بعض جبلتون کے اشتعال یا دوسرے اندرونی میلانات کی مدد کے جذبہ ناقابل اشتعال ہو گا، اگر وہی جذبہ اپنے نظام مین جبلتون کی ایک نوع کو شامل کر لیگا، مثلاً خوف کے جذبہ مین تحفظ و فرار کی دونون جبلتین داخل ہوتی ہین کبھی تو یہ جبلتین ایک دوسرے کے بعد برابر مشتعل ہوتی ہین، اور کبھی ایک ہوتی ہے تو دوسری نہین ہوتی، نظریۂ میکڈوگل کی رو سے ہر ایک مختلف جبلت کو ایک مختلف جذبہ رکھنا چاہئے تھا، لیکن ہم تحفظ و فرار ہر دو صورتون مین وہی خوف کا جذبہ معلوم کرتے ہین، ہمین اس سے انکار نہین کہ خوف بھاگنے اور دبکنے کی صورت مین گو دو جداجدا احساس رکھتا ہے مگر بہر حال ابتدائی جذبہ تو ایک ہی ہے،

تیسری صورت مین بعض دفعہ ایک ہی جبلت مختلف جذبات کے نظامات سے ملی ہوئی ہوتی ہے، یعنی بالفاظ دیگر جبلت جو ایک جگہ مترتب ہو یہ کوئی ضروری نہین کہ دوسری جگہ ظاہر نہ ہو، جس طرح ایک ہی قسم کی عادتین مختلف نظامات مین کار آمد ہوتی ہین اور جسطرح ایک ہی قسم کے جذبات مختلف حواس، (SENTIMENTS) کے موضوع بنتے ہین اسی طرح ایک ہی قسم کی جبلتین بیٹھنے، اٹھنے، چلنے بھاگنے کے کئی نظامون کے لیے لابد ہین، علی ہذا القیاس پرواز کی جبلت پرندون مین نہ صرف خوف کے جذبہ سے ظاہر ہو گی بلکہ جنسیت یا بھوک کے جذبہ سے بھی مشتعل ہو سکتی ہے، لڑائی کی جبلت مگر و غصہ کی صورت مین کھیل اور خوشی کی جبلت سے پیوستہ نظر آتی ہے چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کتے کھیلتے کھیلتے آپس مین کاٹنے لگتے ہین، پھر ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہین اور انجام کار بھاگ پڑتے ہین، ماسوا اگر جبلت کے لیے تہیج موجود ہو تو جذبہ ہمیشہ فعلیت کے ساتھ ساتھ موجود نہین ہوتا اور نہ وہ اپنی خاص کیفیت کے اظہار کے لیے جبلت کا عمل کرتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ عموماً جذبہ معہ اپنے نظام کے بنسبت جبلت معہ اسکے تہیج کے زیادہ وسیع ہوتا ہے، اسکے علاوہ جذبی نظام مین اکتسابی میلانات کی ایک تعداد کو بھی داخل سمجھنا چاہیئے جو اختلافات کی وجہ سے مترتب ہوتی ہے، خوف کے نظام مین پرواز اور تحفظ ذات کے میلانات کے سوائے اور میلانات بھی شامل ہین، جس کا تجربہ ہر شخص کر سکتا ہے، مگر باوجود ان تمام میلانات کے جذبہ خوف کی ابتدائی صورت بہر حال وہی ہوتی ہے، جذبہ کا کام یہ نہین ہے کہ کسی خاص قسم کے کردار کو بروئے کار لانے پر مجبور کرنے بلکہ مناسب انتخاب کرنے پر مصر ہو،

بہر کیف جب ہم یہ خیال نہین کر سکتے ہین کہ کسی جبلت کا عمل ہمیشہ کسی نہ کسی جذبہ سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور وہ حرکات اضطراری جو ایک جسمی تہیج کے بعد ہوتے ہین دیگر انتخابی افعال اضطراری سے علیحدہ ہوتے ہین تو پہلی قسم کے حرکات کو جبلت سے محدود و اور دوسری قسم کے افعال کو جذبہ سے موصوف کرنا چاہیئے،

بعض عضوی حالتین ایسی بھی ہین جو جذبات سے ظاہری مشابہت رکھتی ہین اور جنکی مثالین بھوک پیاس ہو سکتی ہین، زیادہ سے زیادہ ان کو پر خلل جسمی حالتین کہا جا سکتا ہے، یا حد اعتدال سے متجاوز بے چین شعوری جسمی حالتین سمجھی جا سکتی ہین، لیکن حقیقت مین بھوک پیاس نہ تو جذبات ہوتے ہین اور نہ ان کو جذبات کہا جاتا ہے، جس کے دو اہم وجوہ ہین، پہلے تو یہ کہ بھوک اور پیاس اسلیے دو جداجدا حس ہین کہ وہ صرف ایک ایک مقام یعنی معدہ اور حلق سے متعلق ہین، لیکن جذبہ کی حالت مین کسی عضو کی کوئی تخصیص نہین ہوتی جب کبھی ہم پر کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو ہم سراسر مغلوب ہوتے ہین، بلاشبہہ ایک روایت بھی ہے کہ جذبات کا مقام دل ہے، مگر اس کے حقیقی معنی صرف اتنے ہین کہ جذبات سب سے زیادہ دل مین محسوس ہوتے ہین، اور سچ پوچھیے تو ان کے احساسات کی طرح جذبات کا سرے سے کوئی مقام ہی نہین،

دوسری وجہ یہ ہے کہ بھوک پیاس ہر دو عضوی حالتین کسی اندرونی جسمی عمل و کارروائی کا نتیجہ ہوتی ہین، اس کے برخلاف جذبہ کا محرک عموماً کوئی ایسی بیرونی شے ہوتی ہے جبکا جسم کی اندرونی حالت سے کوئی

تعلق نہین ہوتا مثلاً اگر کوئی شخص اپنی معمولی حالت مین ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی عزت پر حملہ کر دے تو وہ حملہ عصب سمعی (AUDITORY NERVE) دماغ، ادنی مراکز (LOVER CENTRES) واعصاب حرکیہ (MOTOR NERVES) سے گذرتا ہوا اندر کی طرف آتا ہے اور فوراً جذبہ طاری کر دیتا ہے، گو اس مین شک نہین کہ جذبہ کی عضوی حالت بھی دماغ کے ذریعہ مشتعل ہوتی ہے مگر عموماً دماغ کسی خارجی تہیج (STIMULUS) ہی سے مشتعل ہوتا ہے،

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حالتِ غضب مین کتے، بلی کا عملِ انہضام رک جاتا ہے، اور حال کے علمائے نفسیات نے تو ہر جاندار کے متعلق یہی رائے قائم کی ہے کیونکہ جذبہ کی حالت مین کیا انسان! کیا حیوان! سب کی حالت بدل جاتی ہے اور دل معمول سے زیادہ دھڑکنے لگتا ہے اور پیٹ کی حرکات غیر معمولی طور پر تیز ہو جاتی ہین، غرض یہ سب باتین اس امر کا کافی ثبوت ہین کہ جذبہ ایک عضوی حالت ہے؟

مسلمان

اور

سیر و سیاحت

از جناب محمد شاکر صاحب بی اے، محمڈن کالج مدراس،

کہتے ہین کہ مدراس کے لوگ اردو نہین جانتے، اسی کی تکذیب کے لیے آج یہ مضمون شائع کیا جا رہا ہے، محمد شاکر صاحب طالب علم مدرسۂ اعظم (محمڈن کالج) مدراس نے یہ مضمون اکتوبر ۲۵ء مین اپنے کالج کی اردو سوسائٹی مین پڑھا تھا، یہ مضمون بہت معمولی سی اصلاح کے بعد شائع کیا جاتا ہے، معلومات سے زیادہ ہم کو اسکی اشاعت سے نوجوانانِ مدراس کی ہمت افزائی کرنا ہے،

(معارف)

ہمارے اسلاف کو سیر و سیاحت سے جو شغف اور جس طرح وہ سفر کی منزلون کو طے کرتے تھے، آج ہم ان کا تخیل بھی نہین کر سکتے، جناب مولانا شیروانی اپنی کتاب علمائے سلف مین تحریر فرماتے ہین:-

"موجودہ حالت دیکھ کر مشکل سے باور آسکتا ہے کہ کبھی ہم مین بھی ایسے لوگ تھے جو علم کی دھن مین براعظم اور سمندر کا طے کر ڈالنا ایک بات سمجھتے تھے، جو ایک کتاب کی خاطر صدہا میل پیادہ پا جاتے اور جو صرف نباتات کے حالات تحقیق کرنے ملکون ملکون پھرتے، اگر ان کے دلون مین وہ جوش اور دماغون مین وہ ولولہ نہ ہوتا تو ہم کو ابن بیطار اور سید شریف نصیب نہ ہوتے"؛

غور کیجیے کہ اس زمانہ مین ایک شخص کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا آسان بات نہ تھی، (ذرا موجودہ زمانہ کی سہولتون کو پیش نظر رکھیے) اگلے زمانہ مین سفر کو آسان کرنے کے لیے نہ تو

خشکی مین ریل تھی اور نہ دریا مین اسٹیمر، اس زمانہ مین مسافرون کو طرح طرح کی صعوبتین اٹھانی پڑتی تھین خشکی پر وہ سفر کرتے تو قافلون کے ہمراہ اور تاجرون کے ساتھ، صحرانوردی اور بادیہ پیمائی کے صدمے انھین سہنے پڑتے، ریگستان مین تشنگی کی آفتین اٹھانی پڑتین، اور ہفتون بلکہ مہینون کے بعد منزل مقصود تک پہنچتے، جب کبھی وہ بحری سفر پر آمادہ ہوتے تو ان کی مشکلون مین کمی نہ ہوتی، اس زمانہ مین بحری سفر کرنے والے عموماً تاجرون کے جہازون پر روانہ ہوتے تھے، جہاز آج کل کے دخانی جہاز نہ تھے، بخلاف اس کے مسافرون کو یہ معلوم تھا کہ بہ نسبت بری سفرون کے بحری سفر بدترین چیز ہے، انھین دریا مین محض ہوا کے بھروسہ پر سفر کرنا پڑتا تھا بدقسمتی سے طوفان شروع ہوتا تو جہاز اور تمام مسافر غرق ہو جاتے تھے، اس لحاظ سے بحری سفر کرنے والے اپنی جان جوکھون مین ڈالتے تھے، ایک مقام سے دوسرے مقام تک خیریت کیساتھ پہنچنے کی امید تک نہ رہتی تھی، سفر مین ہمیشہ ان کے دلون پر امید و بیم کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی رہتی تھی،

سفر کی ایسی ایسی صعوبتون کا لحاظ کرتے ہوئے سامعین اس کے مشتاق ہون گے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جنھون نے ہمارے اسلاف کو بری اور بحری سفرون پر آمادہ کیا، اس کے بہت سے اسباب ہین، لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہر مسلمان دائرۂ اسلام مین رہ کر احکام خداوندی اور رسول آخر الزمان ﷺ کے اقوال پر عمل کرنا اپنا فریضہ سمجھتا تھا، خدائے تعالیٰ کے جو احکام قرآن مین درج ہین ان مین جہان دینداروں کے متعلق متفرق جگہ متفرق امور پر خدائے تعالیٰ نے پند و نصیحت کی ہے وہان قل سیروا فی الارض، کی آیت بھی موجود ہے جس کے معنی ہین کہ چلو سیر کرو زمین مین، اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانون مین سیر و سیاحت دینی عزت حاصل کرنے کا ایک زبردست ذریعہ تھا، ہمارے اسلاف جو خدا اور رسول کے سچے معتقد تھے ان لوگون نے سیر و سیاحت کو ایک مذہبی فرض قرار دیا اور سمجھا کہ اس کا ادا کرنا ایک ضروری بات ہے، سیر و سیاحت کی بدولت دینی عزت حاصل کرنے کے اور اسباب بھی تھے، خدائے تعالیٰ نے جس مقدس

کتاب مین قل سیروا فی الارض فرمایا اسی مین کئی جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حج کرو،

لہذا تقدس حاصل کرنے کے لیے جو صاحب تمول ہوتے تھے وہ طرح طرح کے مصائب اٹھا کر اس فرض سے سبکدوش ہوتے تھے علاوہ ازین ہر مسلمان کی رگون مین اسلام کا خون اس قدر جوش زن تھا، کہ وہ اپنی روشنی سے دوسرون کو بھی فائدہ پہنچانے کے لیے اپنی نفس پر مصیبتین گوارا کرکے سفر کرتا اور ان لوگون کو جو اسلام سے بالکل ناواقف تھے ترغیب دلا کر راہ مستقیم پر لانے سے دریغ نہ کرتا، احکام خداوندی فرمانِ رسول ﷺ، اور تبلیغِ اسلام نے مسلمانون مین ایک جوش پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے ہر مسلمان سیر و سیاحت کا دیوانہ رہتا تھا،

قطع نظر ان دینی اسباب کے اور دنیاوی وجوہ بھی تھے جو مسلمانون کو اپنے ارادون مین اور بھی مضبوط کر رہے تھے، تاریخ نے بتایا ہے کہ اگلی سلطنتون نے بھی اپنا تسلط جمانے کا ذریعہ تجارت کو قرار دیا تھا، اور ایک انسان کو تاجر بننے کے لیے سفر ہی زبردست ذریعہ ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ "سفر وسیلۂ ظفر ہے" مسلمانون نے دنیا مین دولتمند اور فارغ البال ہونے کے لیے سفر اختیار کیا جس کی بدولت وہ تجارت ہی مین نہین بلکہ صنعت و حرفت علم اور عمل غرض ہر ممکن میدان مین یادگار زمانہ رہ گئے،

لیکن ہمارے اسلاف نے محض تجارت کیلئے ہی سفر اختیار نہین کیا بلکہ تحصیلِ علم اور اشاعتِ اسلام ان کے اعلیٰ ترین مقاصد تھے،

جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا اور اس کو حکمرانِ عرب و عجم کا رتبہ حاصل ہو گیا تو اس وقت بہت سے لوگون کے دل اسلام کے نور سے منور ہو چکے تھے، چنانچہ براعظم ایشیا مین براعظم یورپ مین براعظم افریقہ مین اور جزائر مالدیپ سوماٹرا، جاوا، ملوکا، بورنیو، سیلیبز، فیلپائن، زولو، نیوگنی، اکریٹ، ملایا، اور ملاکا مین اسلام کا آفتاب کسی نہ کسی زمانہ مین طلوع ہوا، اس میدان مین چند بزرگ افراد جنھون نے دینی و دنیوی عزت حاصل کرنے کی غرض سے سیاحت کی، ان کا ذکر کرنا اور

ان کے کارنامون پر سرسری نظر ڈالنا ضروری ہی، تاریخ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان تاجرون نے لوگون کو دعوتِ اسلام دی، دسوین صدی عیسوی سے جزائرِ ملایا مین مسلمانون کا دخل ہوا، غرض تاجرانِ عرب کے علاوہ جنوبی ہند سے بھی داعیانِ اسلام ملایا کے جزیرون مین پہنچے، ہندوستان کے ساحل کورومنڈل، اور ملیبار مین شافعی مسلمانون کی آبادی، اور جزائرِ ملایا مین شافعیون کا موجود رہنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ انہی تاجرون کی بدولت ان لوگون نے اسلام کی تعلیم پائی ہوگی، یہ لوگ وہان جاکر بسے، وہان کی عورتون سے شادیان کین اور مسلمانون کی تعداد بڑھائی، دیگر جزائر مثلاً فیلپائین، سماٹرا وغیرہ مین تاجرون نے اپنی جانفشانی سے اسلام کی خدمت ادا کی، چودھوین صدی عیسوی مین شریفِ مکہ نے کچھ لوگون کو روانہ کیا کہ سماٹرا کے باشندون کو مشرف بہ اسلام کرین، ان کے رہنما شیخ اسمٰعیل تھے، ان کی وجہ سے جزیرۂ سوماٹرا کے مختلف شہرون مثلاً پاسوری، آرو، ملبری، وغیرہ مین اسلام پھیلا، ملکِ عرب کے مشہور عالم شیخ عبد اللہ نے اپنی سیر و سیاحت کے زمانہ مین جزیرہ نمائے ملایا کی کبدا ریاست مین پہنچکر اس کے باشندون کو گمراہی مین پایا، آخر کار انھین راہ راست پر لائے، جزیرہ مدورا، جاوا اور زولو کے اسلامی ہیرو جنکے نام ابد الآباد تک زندہ رہینگے، وہ حاجی پردا، مولانا ملک ابراہیم اور تاجر سید علی تھے، تاجرون اور حاجیون کے علاوہ مذہب کی اشاعت کرنے والون مین مولوی، معلم، واعظ اور فقیہہ بھی ہوتے تھے،

سیر و سیاحت کے میدان مین تاجرون اور حاجیون وغیرہ کے علاوہ جنکی بدولت دنیا کے بعض قطعات مین اسلام پھیلا، اور دیگر افراد بھی یادگارِ زمانہ ہین، اشاعتِ اسلام کے علاوہ لوگون نے طالب العلمانہ اور سیاحانہ سفر کئے، جنھین دو گروہ ہین، ایک وہ لوگ ہین جنھون نے مذہبی تعلیم مثلاً حدیث و فقہ پڑھنے کے لیے دور دراز کا سفر کیا،

علمائے سلف نے احادیث نبویہ کے حاصل کرنے کے لیے اپنے اوپر ایسی ایسی صعوبتین اٹھائین کہ جنکے بیان سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین، چنانچہ حضرت امام مالک نے حضرت سعید بن المسیب

تابعی سے روایت کی ہے کہ مین ایک ایک حدیث کی خاطر شب و روز پیادہ پا چلا ہون، صحیح بخاری کے مصنف امام بخاری کو چودہ سال کی عمر مین ان کا شوق اپنے پیارے وطن سے نکال لایا، ان کی والدہ اور خواہر وطن مین نگران تھین، بخارا سے مصر تک سارے ممالک کی انھون نے سیر کی، ملک اسپین کے محدث ابن حبان نے علمِ حدیث، عراق، حجاز اور یمن پہنچکر ان مقامات کے بزرگون سے حاصل کیا، ان کے حالات سے ان کا قطعی طور پر کسی راستہ سے سفر کرنا معلوم نہین ہوتا، لیکن قیاس سے اتنا اندازہ تو لگا سکتے ہین کہ اگر انھون نے بحری سفر کیا ہو تو بحیرۂ روم اور بحر احمر وغیرہ طے کیا ہوگا،

یہ سنکر اور تعجب ہوگا کہ حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلب حدیث مین کئے، ان مین انھون نے ہر قسم کی تکلیف گوارا فرمائی، سفر پیادہ پا کرتے اور کتابون کا پشتارہ پشت پر ہوتا تھا، صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کا اثر کبھی یہان تک پہنچتا کہ ان کے پیشاب مین خون آنے لگتا، لیکن پھر بھی انھون نے گوہرِ مقصود کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، وہ مقامات جہان آپ تشریف لیگئے علی الترتیب یہ ہین:- بغداد، مکہ مکرمہ، جزیرہ تنیس، دمشق، حلب، جزیرہ، اصفہان، نیشاپور، ہرات، رحبہ، موقان، مدینہ طیبہ، نہاوند، ہمدان، واسط، ساوہ، اسدآباد، انبار، اسفرائن، آمل، اہواز، بسطام، جرجان، استرآباد، بوسنج، البصرہ، رے، شیراز، قزوین، کوفہ، وغیرہ جو کل تمام ملک ایران، ترکستان، عراق عرب، بلاد لبنان، ملک شام وغیرہ پر مشتمل ہین،

اس گروہ سے بالکل علحدہ ایک گروہ ان لوگون کا تھا جنھون نے دنیاوی عزت و عظمت اور اپنے وسعتِ خیالات کے لیے دور دراز جاکر کچھ نہ کچھ حاصل کیا، ان مین مشہور و معروف "کتاب الہند" کے مصنف ابوریحان البیرونی گذرے ہین، ان کی ولادت ۳۶۲ھ مین ملک خوارزم مین ہوئی، بچپن سے انھین علم کا شوق تھا، چنانچہ علم ریاضی، نجوم، اور حکمت وغیرہ جانتے تھے، لیکن ان کی پیاس اس سے بجھ نہ سکی، اور اس تحصیل کردہ علم پر انھون نے ہرگز قناعت نہ کی، حالانکہ شہر غزنی مین ایک مستند منجم مانے جاتے تھے، ان کی زندگی کا بہترین حصہ افغانستان مین گذرا، اس کے بعد ہندوستان پہنچکر ملتان اور پشاور

مین چندے مقیم رہے، اس ملک ہندوستان کے باشندون کے میل جول سے انھون نے سمجھا کہ برہمن بڑے فلسفہ دان، منجم اور محاسب ہین، اس کے علم نے انکی طبیعت مین تعصب تو پیدا نہین کیا بلکہ جس کسی مین جو چیز یا خصلت بھلی پائی اس کے شیدائی ہو گئے، چنانچہ عالمانہ حیثیت سے انھون نے ہندو مذہب اور زرتشت مذہب مین نہایت عمدہ طریقہ پر امتیاز کیا ہے، وہ بھگوت گیتا کے فریفتہ تھے، انھون نے اہل ہند کو علوم یونان سے آگاہ کیا اور یہان سے غزنی واپس ہونے کے بعد اپنے عزیز سفرون کی یادگار کتاب الہند جسمین ہندوستان کے حالات متعلق بہ نجوم، مذہب، فلسفہ، ادب، تاریخ اور رسوم وغیرہ ہین، لکھی، اس کے علاوہ ایک کتاب القانون المسعودی فی الہیئۃ والنجوم لکھی، ایک اور کتاب اپنی زبان مین تصنیف کی جسمین ہندوستان کے جغرافیائی معلومات کا انکشاف ہے، اگر وہ ہندوستان کے سفر سے محروم رہتے تو یہ مفید کتابین میسر نہ ہوتین، اور اس کا نام بھی صفحۂ روزگار پر اس قدر مشہور نہ ہوتا،

اس کے بعد طالب العلمانہ سفر مین ابن بیطار ایک باشندۂ ملاگا جس کا سلسلۂ نسب اسی جزیرہ کے مشہور خاندان البیطار سے جا ملتا ہے، گذرا ہے جو چھٹی صدی ہجری مین علم نباتات کا ایک مشہور محقق تھا، ابتدائے عمر مین اسکی تعلیم ابو العباس کے زیر سایہ رہی، یکتائے عصر ابن بیطار نے اپنے وسعتِ معلومات کے لیے بیس سال کی عمر مین اپنے وطن سے نکل کر شمالی افریقہ، مراکو، الجیریہ اور ٹیونس کی سیاحت کی، ازان بعد اس کا قیام مصر مین رہا جہان صیغۂ علم نباتات کا عہدہ دار بھی مقرر ہوا، شاہ نجم الدین کی حوصلہ افزائی نے اسے دمشق مین رہنے دیا، اس نے اپنی جان کاہ کوششون سے ملک شام اور ایشیائے کوچک مین تحقیقات کی، اس کا ایک خوش نصیب شاگرد ابن ابی اصیبعہ نامی دمشق اور اس کے جوار مین جڑی بوٹی کی شناخت کرنے کے وقت ہمیشہ ساتھ رہتا تھا، اگر اس مین سیر و سیاحت کی روح نہ رہتی تو ملاگا سے باہر کیون قدم دھرتا، اپنی تحقیقات کو جو سفر مین حاصل ہوئین ایک تصنیف الجامع فی الادویار المفردات والاغذار مین جمع کیا، اس کے مرنے کے بعد کئی لوگون نے اس تصنیف سے فائدہ اٹھایا،

یہی تحصیل علم کا شوق تھا جس نے کتاب الخطط والآثار کے مصنف المقریزی کو سیاحِ مصر کا خطاب دیا، اس نے مصائب اٹھا کر اپنے معلومات کو بڑھایا حتی کہ ملک مصر کے چپہ چپہ کی پیداوار کا بیان کیا ہے جس سے اس کے بعد والون کو بہت کچھ مدد ملی،

طالب العلمانہ سفر کرنے والون مین چند ایسے افراد بھی تھے جنھین علم جغرافیہ سے خاص الفت تھی، ان مین ابن خورداذبہ اور ابن حوقل مشہور ہین، ابن خورداذبہ ملک فارس مین تیسری صدی ہجری مین پیدا ہوا، زندگی کے پہلے حصہ مین جو عموماً تعلیم و تربیت مین صرف ہوتا ہے اس نے علم جغرافیہ کو نہایت دلبستگی کے ساتھ حاصل کیا، حالانکہ علم موسیقی مین بھی ایک حد تک دستگاہ حاصل تھی، شہر الجبال علاقہ میڈیا مین صاحب البرید والخبر یعنی ڈاک کا افسر اعلیٰ تھا، لیکن پھر بھی علم کا شوق اس کو چین سے رہنے نہ دیتا تھا، چنانچہ نزدیک و دور کا سفر کیا اور خاندان عباسیہ کے ایک شہزادہ کے کہنے پر سنہ ۲۳۲ھ کے قریب کتاب المسالک والممالک لکھی، اس سے آیندہ جغرافیہ دانون مثلاً مقدسی وغیرہ نے بہت فائدہ اٹھایا،

ابن حوقل ملک عرب کے رہنے والے تھے، الجیہانی اور دیگر اشخاص کی تصانیف پڑھ کر اس کے دل مین سیر و سیاحت کی آرزو پیدا ہوئی، بعض کہتے ہین کہ وہ تاجر تھا اور بعضون کا یہ خیال ہے کہ وہ بنی فاطمہ کی طرف سے جاسوس مقرر ہوا تھا، اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے اتنا تو کہہ سکتے ہین کہ اس نے دیگر ممالک اور انکے حالات سے واقفیت حاصل کرنے اور بذریعہ تجارت روپیہ کمانے کے لیے اسلامی مشرقی و مغربی ممالک کی سیر کی، اس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنہ ۳۳۱ھ مین بغداد سے نکلا اور اثنائے سفر مین سنہ ۳۴۰ھ کے قریب ایک مشہور بزرگ الاصطخری سے ملاقات ہوئی،

اسی کی حوصلہ افزائی تھی جسکی وجہ سے اس نے مختلف نقشون کو درست کیا اور ان مین اضافہ بھی کیا، اسکی تصنیف المسالک والممالک، جو سنہ ۳۶۶ھ مین مرتب ہوئی، وہ اس کے سفرون کا ثمرہ ہے جسکی بدولت اس کا نام ہنوز جغرافیائے دنیا مین زندہ ہے، اس کے حوصلہ افزا اور رہنما الاصطخری نے جو اس میدان کا ایک

مشہور شہسوار تھا، اپنے مختلف سفرون کے ذریعہ نہایت وسیع خیالات حاصل کئے، اور اس فانی دنیا مین ایک تصنیف جو کتاب الاقالیم کے نام سے مشہور ہے، چھوڑ گیا،

ان داعیانِ اسلام حاجیانِ بیت الحرام اور طالبانِ علوم سے علحدہ بعض شایقین ایسے بھی تھے جنکے سر مین سفر کا سودا بھرا ہوا رہتا تھا، ان کا مقصدِ سفر اپنے معلومات کو وسیع کرنا ہی نہین، بلکہ خدا کی وسیع کائنات کے متفرق اور قابلِ دید مناظر تک ہو آنا تھا، ان افراد سے بھی اسلامی و غیر اسلامی دنیا کو مختلف فائدے حاصل ہوئے، ان مین سب سے پہلے ابوالحسین احمد بن جبیر الکنانی باشندۂ ہسپانیہ ہے، یہ گورنر غرناطہ کا سکرٹری تھا، حج کی غرض سے ۵۷۸ھ مین غرناطہ سے نکل کر بری اور بحری سفر طے کرتا ہوا بمقام اسکندریہ پہنچا، یہان آکر دیکھا کہ عیسائیون نے راستہ بند کر دیا ہے، چونکہ وہ صلیبی جنگون کا زمانہ تھا جب مسلمانون اور عیسائیون مین انتہا درجہ کا نفاق پیدا ہو گیا تھا، اسلیے قاہرہ، قوص اور جدہ سے ہوتا ہوا داخل مدینہ ہوا، وہان سے اس نے کوفہ، بغداد، موصل، حلب اور دمشق کی سیر کرتے ہوئے جزیرۂ صقلیہ (سسلی) کی سرزمین پر قدم رکھا، یہان چندے قیام رہا، اسکے بعد غرناطہ واپس ہو گیا، ۵۸۵ھ مین اس نے دوبارہ مشرقی ممالک کی سیر کی، اس کے سفرنامہ سے جزیرۂ صقلیہ کے حالات ظاہر ہونے کے علاوہ فاتحِ یروشلم یعنی سلطان صلاح الدین اور حاکم ولیم کے حالات پورے پورے معلوم ہوتے ہین،

ابن جبیر کے شاگرد رشید الشرتشی کے بیانون سے ظاہر ہے کہ اس نے ممالکِ مصر، عرب، عراق عرب اور شام کی سیاحت کی تھی، اس کے حالاتِ سفر دوسرے لوگون کے دلون مین جوشِ سیاحت اور ذوقِ سفر پیدا کرنے مین اعلیٰ ترین درجہ رکھتے ہین، کیونکہ اس مین قابل دید مقامات مثلاً عرب مین مسجد نبوی، شہر مدینہ، بیت الحرام، عراق عرب مین کوفہ، بغداد وغیرہ، ملک شام مین دمشق و حلب وغیرہ اور سرزمینِ مصر مین قاہرہ اور اس کے عجائبات کا ذکر نہایت وسیع طور پر کیا گیا ہے،

[1] معارف ۔ وہ صقلیہ (سسلی) اس سے پہلے جا چکا تھا کہ وہ راہ مین بحر روم کے جہازون کا ضروری بندر تھا،

کیا یہ قابلِ تحسین بات نہین کہ ملکِ غرناطہ کا رہنے والا ایک مسلمان سیاحت کے نشہ سے ایسا سرشار ہوا کہ ہزارہا میل طے کرنے کے بعد بھی اسکی پیاس نہین بجھی، ایک دفعہ کے سفر نے اس کے دماغ مین وہ سودا پیدا کیا کہ دوبارہ سیر و سیاحت کیلئے آمادہ ہوا،

متاخرین مین العبدری اور البلوی بھی مشہور سیاح گذرے ہین، العبدری جو حاحہ (اندلس) کا باشندہ تھا، ۶۸۸ھ مین عازمِ مدینہ ہوا، تاجرون کے جہاز مین وہ دریائی سفر کرتا ہوا اسکندریہ داخل ہوا، پھر وہان سے مکہ اور مدینہ ہوتا ہوا فلسطین آکر چندے مقیم رہا اور پھر مصر ہوتا ہوا اپنے ملک کو واپس ہو گیا،

دوسرا سیاح البلوی جو قنتوریہ کا باشندہ تھا، اس نے ۷۳۶ھ مین اسپین سے اسکندریہ کی راہ لی، القاہرہ کے عجائبات دیکھے، چندے یروشلم مین رہا اور پھر ملک شام سے عربستان پہنچا، اگرچہ علمی لیاقت اس درجہ کی نہ تھی کہ وہ مستند مصنف بن سکے لیکن پھر بھی اپنے سفرون اور مشاہدون کو اس نے ایک کتاب تاج المفرق فی تحلیۃ علماء المشرق مین لکھا،

انھین سیاحون مین دو زبردست سیاح سعدی شیرازی اور ابن بطوطہ گذرے ہین، شیخ سعدی کو سیر و سیاحت کا خاص چسکا تھا، چنانچہ ان کی تصنیف گلستان سے پایا جاتا ہے، کہ انھون نے ہندوستان کی سیر کی تھی، بعضون کا خیال یہ بھی ہے کہ وہ امیر خسرو کے زمانہ مین ان کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، لیکن یہ قرینِ قیاس نہین کیونکہ خسرو کے ابتدائی زمانہ مین یہ بہت ضعیف ہو گئے تھے، ان کی دوسری تصنیف بوستان سے ثابت ہے کہ انھون نے سومنات سے نکلکر ایک بار مغربی ہندوستان کا دورہ کیا اور وہان سے بحرِ ہند اور بحرِ عرب سے گذرتے ہوئے یمن اور حجاز مین داخل ہوئے، انھون نے ایک نہین بلکہ چودہ حج کئے اور سب کے سب پیادہ پا، اس سے اندازہ لگا سکتے ہین کہ انھین اثنائے سفر مین کیسی کیسی صعوبتین اٹھانی پڑی ہونگی، حیات سعدی مین تحریر ہے کہ انھون نے ایشیائے کوچک، بربر، حبش، مصر، شام، فلسطین، آرمینیا، عرب، بجملہ ممالکِ ایران، اکثر ممالکِ توران، ہندوستان، رودبار، دیلم، کاشغر،

بصرہ، بغداد، سے چین اور سد سکندری تک کی سیر کی تھی، اس کے علاوہ انھون نے دریا مین بھی سفر کیا چنانچہ خلیج فارس، بحر عمان، بحر ہند، بحر عرب، بحر قلزم اور بحر روم مین ان کا دریائی سفر کرنا انکی تصنیفات کے ناظرین سے پوشیدہ نہین،

سعدی کے بعد ہندوستان کے سیاحون مین جہان پیما ابن بطوطہ جو باشندۂ مراکش تھا گذرا ہے، ہمارے مسلمان سیاحون مین اس کا درجہ بہت بڑا ہے، چونکہ اس نے مختلف ممالک کی بارہا سیر کی، اور بعد مین اپنے سفرون کے اختتام پر اس نے اپنے حالاتِ سفر لکھے، اس کے زمانہ مین اسلام ہر شعبۂ زندگی مین کمال پیدا کرچکا تھا، اور مسلمانون کی طرزِ زندگی غیر اقوام کے لیے قابلِ رشک تھی، چنانچہ ۷۲۵ھ مین جبکہ اس کی عمر بائیس سال کی تھی وطن کو چھوڑا، شمالی افریقہ سے گذرتا ہوا مصر داخل ہوا، ملک شام و فلسطین سے ہوتا ہوا شہر مکہ پہنچا، وہان سے عراق، فارس اور موصل کی سیر کی، واپسی مین پھر دوسرے دفعہ حج کا شرف حاصل کیا، اور ۷۳۰ھ اور ۷۳۲ھ مین اسکا قیام مکہ مین ہی رہا، اس کا دوسرا سفر جنوبی عربستان، اور مشرقی افریقہ کے ممالک مین رہا، مصر سے ایشیائے کوچک پہنچکر کریمیا سے ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہنچا، وہان سے خوارزم بخارا، اور افغانستان سے گذرتا ہوا ہزار ہا میل کا کٹھن سفر لق و دق میدانون مین طے کیا اور سرزمین ہندوستان مین جوان دنون مین زرخیز ملک کہلاتا تھا قدم رکھا اسکی قابلیت پر نظر کرتے ہوئے محمد تغلق بادشاہ ہندوستان نے اس کو قضا کے عہدہ پر مامور کیا، لیکن سفر کا شوق اس بلا کا تھا کہ اس نے اس کو یہان چین سے رہنے نہ دیا، آخر موقع پاکر عازم ملک چین ہوا، لیکن راستہ مین مالدیپ ٹھہر کر وہان ڈیڑھ سال تک کسی ایک خدمت کو انجام دیتا رہا، اس قلیل عرصہ کے بعد پھر سفر کی تیاری کی، سرندیپ، بنگال، سماٹرا سے ہوتا ہوا ملک چین پہنچا، وہان سے ۷۴۷ھ مین واپس عرب ہوکر تیسری حج کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد اس نے اپنی تیسری سیاحت شروع کی، فارس، شام، عراق عرب سے گذرتا ہوا مصر پہنچا وہان سے عرب پہنچکر چوتھی دفعہ بیت الحرام وغیرہ کی زیارت کی، پھر شمالی افریقہ سے

فارس پہنچا، ۷۵۰ھ مین غرناطہ کی بھی سیر کی، اس کا آخری اور چوتھا سفر ۷۵۳ھ مین شروع ہوکر ۷۵۴ھ مین اس وقت جب یہ مراکو واپس ہوا ختم ہوا اور یہین اس نے مشہور و معروف کتاب تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار لکھی اور آخر مراکو ہی مین ۷۷۹ھ مین اس جہان پیما ابن بطوطہ کا انتقال ہوا،

آٹھوین صدی ہجری تک ان سیاحون کے علاوہ اور بہت سے سیاح مثلاً ابن واضح، مسعودی، ابن سعید اندلسی، ہمدانی، یاقوت حموی وغیرہ گذرے ہین، ابن بطوطہ کے زمانہ تک اسلامی ممالک مین سفر اور تجارت کا زیادہ شوق تھا حتی کہ ابن بطوطہ نے اپنے مختلف سفرون مین غرناطہ مین ہندیون سے اور ہندوستان مین غرناطہ و چین والون سے ملاقات کی، اہل علم اور صوفی لوگ بھی اس زمانہ مین چین سے مغرب تک اور سیلون سے بلغار تک علم طریقت کی تلاش مین پھرتے تھے، دسوین صدی ہجری سے ادبار کی گھٹا چھانی شروع ہوگئی، چونکہ کیپ آف گڈ ہوپ کے راہِ ہند کے انکشاف نے مسلمانون کو اپنی تجارت سے محروم کیا اسلیے زمانۂ ابعد مین مسلمانون مین سیر و سیاحت کا چسکا باقی نہ رہا،

اس کے علاوہ اور بہت سے اسباب [illegible] کا ذکر یہان چندان ضرور [illegible] نہین غرض پندرھوین صدی عیسوی کے آغاز سے اقوام یورپ کا دور شروع ہوا، اس کے بعد بھی مسلمانون مین سیاح اگرکثیر تعداد مین نہین تو چند گذرے ہین، چنانچہ زمانۂ حال مین مولانا شبلی نعمانی کا طالب العلمانہ سفر بھی یادگارِ زمانہ رہ گیا، ان کا سفرنامہ بھی متاخرین کی کتابون سے کم نہین شبلی نعمانی جیسے علامہ نے ہمارے متاخرین کے سفرون اور اسلام کی یادگارون پر نظر کرکے نہایت حسرت کیساتھ کہا ہے، ؎

در موسمِ گل گریہ بہ گلستان نہ رسیدیم — از دست ندادیم تماشائے خزان را

مولانا شبلی کے بعد ہندوستانیون مین سے عبدالرحمن امرتسری انجنی محبوب عالم وغیرہ نے سیاحت کا حق ادا کیا ہے،

اب ہمارے لیے ہمارے اسلاف کے کارنامے داستانون کی حیثیت رکھتے ہین، جیساکہ

مولانا شیروانی نے فرمایا ہے، ہمین اپنے بزرگون کی سیر و سیاحت کا خیال کر کے آجکل کے زمانہ مین مشکل سے باور آتا ہے کہ ہم مین بھی ایسے یادگار زمانہ گذرے ہون گے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم مین نہ وہ جوش رہا اور نہ وہ ولولہ، ورنہ ہم ایسی عزیز بضاعت کو جو حقیقی معنون مین وسیلۂ ظفر ہے کیون ہاتھ سے جانے دیتے، مسلمانون کی سیر و سیاحت کے متعلق سعدیِ ہند اپنے مسدس مین نہایت دردانگیز طور پر فرماتے ہین:-

سدا ان کو مرغوب سیر و سفر تھا — ہر اک بر اعظم مین ان کا گذر تھا
تمام ان کا چھانا ہوا بحر و بر تھا — جو لنکا مین ڈیرا تو بربر مین گھر تھا
وہ گنتے تھے یکسان وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

جہان کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک — کہ نقش قدم ہین نمودار اب تک
ملایا مین ہین ان کے آثار اب تک — انھین رو رہا ہے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہین واقعات ان کے ازبر
نشان ان کے باقی ہین جبرالٹر پر

ایک نئی اثری تحقیق،

بہیانگ شانگ کا چنپا

سنتال پرگنہ مین

از مولوی ابو عمر زکریا صاحب بھاگلپوری

دنیا کا ایک ایک ذرہ کتاب عبرت کا ایک کھلا باب ہے، انسان کو گوش شنوا چشم بینا چاہیئے، سیروا فی الارض فانظروا الخ دنیا مین کتنی قومین آئین، بسین اور نکل گئین، جنکے پتے نہین، کچھ سطحِ حجر پر، لوحِ خاک پر، صفحۂ قرطاس پر، اپنی یاد دلا رہی ہین، کچھ ویران کھنڈرون سے اہل نظر کو پکار پکار کر اپنی گم گشتہ شوکت، موجودہ افسوسناک نکبت پر آٹھ آٹھ آنسو رلا رہی ہین،

تلک آثارنا تدل علینا

فانظروا بعدنا الی الآثار

دنیا کا بہترین شہر بابل جسکو عروس البلاد کہتے تھے، جسکے تمدن نے دنیا کی آنکھون کو خیرہ کر رکھا تھا، اب صرف خاک کا تودہ ہے، لیکن یورپ کے اہل اثر انھین کو کھود کھود کر تاریخ کا نیا باب مرتب کر رہے ہین، آریہ ورت کی زمین جب آباد تھی، یہان بھی ایک تمدن تھا، علم و حکمت کا چشمہ ابلتا تھا، ویدانت کی نہرین چلتی تھین، بدھ کی تعلیم جو تمام دنیا مین پھیلی جا رہی تھی، اس کا مرکز مگدھ تھا، جو اب بہار کے نام سے مشہور ہے، پالی زبان مین دہار خانقاہون کو کہتے ہین، چونکہ اس صوبہ مین بدھون کی خانقاہین بکثرت پھیلی ہوئی تھین، جہان ہر طرح کے علم و حکمت کی تعلیم ملا کرتی تھی اس کا دار الخلافہ چنپا تھا، جو نہایت ہی خوبصورت اور آباد شہر تھا، مستحکم عمارات، خوش منظر تالاب، دلکش باغات شہر کے

حسن کو دو بالا کر رہے تھے، چھٹی صدی عیسوی مین چین کا مشہور سیاح ہوانگ شوانگ جب ہندوستان آیا تو نالندہ کے پنج سالہ قیام کے بعد چنپا کی زلف گرہ گیر نے اس کو کچھ دنون کے لیے اپنا اسیر کر لیا تھا، اپنے سفرنامہ مین جسکو اکسفورڈ یونیورسٹی نے اصلی چینی زبان مین شائع کیا ہے، بڑی تعریف لکھی ہے، افسوس اس خوبصورت شہر کو برہمنون کے حاسدانہ عروج و معاندانہ خروج نے اس طرح جلا کر تباہ و برباد کر ڈالا کہ اب اس کے وجود کا کہین پتہ تک نہین ملتا، یورپین مورخون کا خیال ہے کہ وہ مقام بھاگلپور اسٹیشن کے مغربی سمت مین تین میل کی مسافت پر واقع ہے، جہان اب چنپا نگر نام کی ایک چھوٹی سی بستی بسی ہوئی ہے، تمام تاریخ ہند کے مورخون نے، ہوانگ شوانگ کے سفرنامہ کے شارح نے بھاگلپور کے چنپا نگر کو چنپا لکھا ہے، بدھسٹ انڈیا کے مصنف رمیس ڈیوڈ نے بھی بھاگلپور کے چنپا نگر کو چنپا لکھا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ضلع پورنیہ کا ایک گاؤن جس کا نام چنپا نگر ہے مستزاد کر دیا ہے، مگر بھاگلپور پر سب کا اتفاق ہے، مین نے سب جگہ کی تحقیق کی کہین سے کوئی چیز مثلاً انیٹ، کتبہ، مورتی، یا کوئی کھنڈر اب تک ایسا نہین نکلا جس سے کسی عمارت یا آبادی کا پتہ لگ سکتا ہزارون جگہ زمین کھود دی جاتی ہے کھیتون مین ہل چلتے ہین، زمین کے پیٹ مین کچھ نہین کہ اگل سکے، ہستنا پور (دہلی) ہین، پاٹلی پتر (پٹنہ) مین بہت سے کھنڈرات دعوے کی تائید کر رہے ہین، مگر چنپا کی تائید مین مورخین یورپ کی کوئی مجوزہ زمین نہین کہتی کہ تلک آثارنا تدل علینا، جہان جائیے سکوت کامل سکوت، تو کیا چنپا سے مایوس ہو جانا چاہیے، کیا چنپا ایک فرضی معشوقہ تھی، جسکی نوحہ خوانی تاریخ کی اوراق آجتک کر رہے ہیں؟ نہین! نہین! آپ مایوس ہون! آپ کو اس کا سراغ کسی مورخ کے ورق سے نہین ملسکتا، آپ آئیے، مین اسکی سیر کراتا ہون، مین کانگریس کی طرف سے کاونسل کے ووٹ فراہم کرنے کے لیے سنتال پرگنہ کا دورہ کرتا ہوا ۱۵ نومبر ۲۶ء [illegible] دیوگھر مین ۲۰، ۲۲ میل کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤن مین گذرا،

یہان والے اس چھوٹے سے گاؤن کو چنپا کہتے ہین، یہ ایک اونچی ٹیلہ نما زمین پر واقع ہے، یہ

اونچی زمین ۷-۸ میل تک پھیلی ہوئی ہے، جہان دو تین گاؤن اور کھیت ہی کھیت آباد ہین، یہان کثرت سے بڑے بڑے قدیم تالاب پائے جاتے ہین، جنکی قدامت کا پتہ کوئی بتا نہین سکتا، بتوفیق الٰہی میرے دل مین خیال گذرا کہ ممکن ہے یہ وہی جگہ ہو جہان شہر چنپا بسا ہوا تھا، اس کا سراغ لگانا چاہیے مین نے گاؤن والون سے اس کے کھنڈرون کے متعلق دریافت کیا، گاؤن والون نے بیک زبان کہا "یہان جب مین کھود دی جاتی ہے، یا ہل چلایا جاتا ہے، تو بکثرت بڑی بڑی اینٹین، جو دو انچ دبیز اور ایک فٹ مربع کی ہوتی ہین، جیسی اس وقت نالندہ کے کھنڈرون سے برآمد ہو رہی ہین، ملتی ہین" ان اینٹون سے یہان کے رہنے والون نے اپنے مکانون کی دیوارین بنائی ہین، پرانے سکے نکلتے ہین، بدھ ساخت کے بڑے بڑے بت نکل رہے ہین، کچھ مٹی کے ظروف بھی نکلتے ہین، چند مکانات بھی نکلے، جنمین چھوٹے چھوٹے بہت سے کمرے تھے، مین نے انمین دیکھین جو کھیتون مین پڑی ہین، کوسون تک اینٹون کے آثار پائے جاتے ہین، مینے بطور یادگار ایک اینٹ بھی ساتھ رکھ لی ہے، جو واقعی نہایت قدیم اور بدھ ساخت کی ہے جو اب نالندہ سے برآمد ہو رہی ہے، اگر محکمۂ آثار قدیمہ ادھر توجہ کرے تو تاریخ کے اندر ایک نادر اور مفید اضافہ ہو جائے گا، مین اپیل کرتا ہون کہ محکمۂ آثار قدیمہ جلد ادھر توجہ کرے تاکہ یہ کھنڈر زمانہ کے دست و برد سے تو محفوظ رہ جائے اگر میری مدد کی ضرورت ہوئی تو مین ہر طرح کی مدد کے لیے طیار ہون وقت دونگا، ساتھ جاؤنگا، شریک کار رہونگا، واقعی یہ وہی چنپا ہے، اس مین کوئی شک نہین، جہان کی مورتیان، اینٹین اپنی اگلی پر عظمت تاریخ یاد دلا رہی ہین،

[illegible]ے تخت پر اک دن شہ گل کا تجمل تھا، ہزارون بلبلون کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا،
خزان کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار حسرت دان، بتاتا باغبان رو رو یہان غنچہ یہان گل تھا،

شرعِ اسلام
اور
قدیم رُومن لا،

ازمولوی حفیظ اللہ صاحب بی اے ال ال بی منصف تعلقہ کلواکرتی (نظام)

کچھ عرصہ ہوا مین نے الہ آباد لا جرنل مین ایک مضمون مندرجۂ بالا عنوان پر دیکھا تھا جو الہ آباد یونیورسٹی کے ایک مسلمان بیرسٹر پروفیسر (READER) کے قلم سے تھا، اوس مضمون مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کیگئی تھی کہ شرع اسلامی کا بیشتر حصہ رومن لا (ROMA LAW) سے ماخوذ ہے، اگرچہ دلائل ضعیف تھے اور مجھ ایسا جاہل شخص اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی اہلیت نہین رکھتا، لیکن مضمون مندرجۂ بالا سے بہتون کے دلون مین شکوک پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اسلئے مندرجۂ ذیل سطور ہدیۂ ناظرین کرنے کی جرأت کرتا ہون، اور توقع کرتا ہون کہ ذی علم حضرات جو عربی اور انگریزی دونون زبانون مین کمال رکھتے ہین مسئلۂ زیر بحث پر روشنی ڈالین گے، ساتھ ہی ساتھ مین امید کرتا ہون کہ میرے دوست پروفیسر صاحب میری اس تحریر سے برا نہ مانین گے، اور اگر ان کے مضمون کا حوالہ دینے مین مجھے کہین غلطی کی ہے تو مجھے مطلع و معاف فرمائین گے، کیونکہ ان کا مضمون اس وقت میرے پیش نظر نہین ہے محض یاد سے کام لے رہا ہون،

صاحب موصوف کے دلائل کی بنیاد محض اس مماثلت پر ہے جو احکام شرعی اور رومن لا مین پائی جاتی ہے، انکی متعدد مثالین بتاکر صاحب موصوف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چونکہ اسلامی قوانین

بہت بعد کے ہین، اسلیے یہ مماثلت اس بات کا ثبوت ہے کہ شرع شریف کے احکام رومی قانون سے اخذ کئے گئے ہین، ان کا بیان ہے کہ جب مسلم فاتحین رومی سلطنت و رومی تمدن سے دوچار ہوئے اور رومی قوانین سے روشناس ہوئے تو انھون نے آہستہ آہستہ ان قوانین کے مطابق شرعی احکام وضع کرنے شروع کئے، امام ابو حنیفہ وغیرہ نے جو احکام مستنبط کئے ہین، وہ انھین قوانین کا نتیجہ ہین،

صاحب موصوف اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بہت بعد مسلمان رومی قوانین سے روشناس ہوئے، اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ احکام قرآن و حدیث رومن لا کے ممنون نہین ہین، لیکن میرے معزز دوست نے ان مثالون مین جنکی مماثلت کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ احکام شرعی رومن لا سے ماخوذ ہین، احکام وراثت کی ایک مثال پیش کی ہے، اور بتایا ہے کہ اسلام کا قانون وراثت (JUSTINIAN) جسٹنین کے CODE (ضابطہ) سے بہت ملتا جلتا ہے، لیکن یہ غور کرنے کی بات ہے کہ وراثت و ترکہ کے احکام خود قرآن پاک مین مندرج ہین، اور ایسے زمانہ مین نازل ہوئے تھے کہ مسلمان اس وقت رومی قوانین سے بالکل ناواقف تھے، پھر محض مماثلت کی بنا پر یہ کہدینا کہ شرعی احکام رومن لا سے مستخرج ہوئے ہین کس قدر خطرناک ہے، اس مثال سے تو نعوذ باللہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآنی احکام کسی دنیاوی قانون کے ممنون ہین، ایک مسلم کی تحریر سے ایسے نتیجہ کا شائبہ بھی مجھے تو اچھا نہین معلوم ہوتا، محض مماثلت (ANALOGY) سے نتائج اخذ کرنا ضعیف ترین طرز استدلال ہے، دنیا کے تمام مذاہب و قوانین مین بہت سے جرائم مشترک ہین، لیکن اس سے تو یہ نہین کہا جاسکتا کہ ان مین جو سب سے قدیم مذہب یا قانون ہے اسی سے بقیہ سب ماخوذ ہین، اس مماثلت کا سبب خود فطرت انسانی ہے۔

علاوہ ازین فقہا نے جو مسائل استخراج کئے ہین وہ سب نص قرآنی اور احادیث سے کئے ہین

اور خود پروفیسر صاحب کو تسلیم ہے کہ احادیث و قرآن پاک کے نزول کے وقت مسلمان رومی قانون سے ناآشنا تھے، پھر ان کے دلائل اسیوقت قبول کیے جاسکتے ہین جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ احکام شرعی قرآن پاک یا احادیث سے مستخرج نہین ہوئے ہین، یا پروفیسر صاحب ان احادیث کو جن سے یہ احکام اخذ کئے گئے ہین، بعد کی موضوع کردہ ثابت کردین، ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین،

آخر مین پروفیسر صاحب نے مضمون مذکور الصدر مین یہ تحریر فرمایا ہے کہ مولانا شبلی نے اس سے انکار کیا ہے کہ شرعی احکام رومن لا سے ماخوذ ہین، لیکن پروفیسر صاحب نے مولانا کے دلائل کو رد کرنے کے بجائے یہ تحریر فرما کر اپنے ناظرین کو تسلی دی ہے کہ مولانا انگریزی سے بے بہرہ تھے، اور اس وجہ سے صحیح نتیجہ پر نہین پہنچ سکے، اس کے متعلق مین نہایت ادب کیساتھ پروفیسر صاحب کی خدمت مین عرض کرونگا کہ اگر مولانا انگریزی سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے غلط نتیجہ پر پہنچے ہین، تو کہین آپ عربی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے غلطی مین مبتلا نہ ہون، مولانا مرحوم گو خود انگریزی بہت کم جانتے تھے لیکن وہ انگریزی کتابون کا ترجمہ انگریزی دانون سے سنا کرتے تھے، اور انگریزی کتابون سے مضامین اور انگریزون کے اعتراضات سے کافی واقفیت رکھتے تھے، سیرت نبوی کے ملاحظہ سے یہ حقیقت ظاہر ہو سکتی ہے،

افسوس ہے کہ الہ آباد کا لا جرنل کا مضمون اس وقت میرے پیش نظر نہین ہے، کہ مین مزید تفصیل سے بحث کر سکون لیکن میری ان چند سطرون سے غالبًا دوسرے حضرات اس موضوع پر تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت محسوس فرمائین گے،

تلخیص و تبصرہ

الشعر الجاہلی،

ہندوستان کی طرح مصر مین بھی نوجوانون کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جس کی زبان، قلم، دل، دماغ اور عقل و فہم پر یورپ کے خیرہ کن تمدن اور ہوشربا علمی کاوشون کا استیلاء ہوگیا ہے، یورپ کے بعض مستشرقین جو ہر شے کو تشکیکی نظر سے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہین، انھون نے ایک مضحکہ خیز نظریہ پیش کیا ہے کہ عربون کے مایہ ناز شعرائے جاہلی کی طرف جو دواوین یا اشعار منسوب ہین، انکی طرف تاریخی حیثیت سے ان کا استناد صحیح نہین،

غالبًا اسی نظریہ کو اساس بنا کر جامعہ مصر کے پروفیسر ڈاکٹر طہٰ حسین نے ایک کتاب "الشعر الجاہلی" کے نام سے شائع کی ہے، جو ان چند خطبات کا مجموعہ ہے، جسکو مؤلف نے جامعۂ مصر کے طلبہ کے سامنے دیا تھا، لیکن اس کتاب مین صرف اسی نظریہ سے بحث نہین بلکہ اسی سلسلہ مین کعبہ کی حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے بنا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی حجاز مین سکونت کے واقعات سے بھی انحراف کیا ہے،

اس بنا پر علمائے مصر کے درمیان اس کتاب سے بڑی برہمی پیدا ہوگئی ہے، لیکن انھون نے صرف مؤلف کی تفسیق و تکفیر پر اکتفا نہین کیا ہے بلکہ مصر کے اخبارات و رسائل مین تاریخی و علمی نقطۂ نظر سے بھی اس کے مدلل اور مسکت جوابات شائع ہو رہے ہین، یون تو مصر کے متعدد علماء نے مختلف رسائل مین اس کے جوابات دیے اور متعدد مشہور اہل قلم اصحاب نے اس کے جواب مین مستقل کتابین لکھی ہین،

مؤلف کا اصل دعوٰی یہ ہے کہ قبائل عرب کی زبانین ایک دوسرے سے مختلف تھین اس لئے

شعرائے جاہلی کے اشعار کی زبان بھی مختلف ہونا چاہیئے، لیکن اس کے برخلاف سب کی زبان ایک ہے، اسلیے ان کی طرف ان دواوین کا انتساب صحیح نہین ہے، اس کے علاوہ بعض شعراء کی شخصیت، ان کے تراجم کی صحت اور حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ اور بنائے کعبہ وغیرہ کے سلسلہ مین جو حقایق تاریخی ہین، انکی واقعیت سے بھی مؤلف کو انکار ہے،

چنانچہ اس نے ایک فصل "شعر جاہلی اور زبان" کے عنوان سے قائم کی ہے، جس مین کہتا ہے

"رواۃ کا عام اتفاق ہے کہ عدنانیون اور قحطانیون کی زبان ایک دوسرے سے مختلف تھی، چنانچہ ابوعمرو بن ابی العلاء کا مقولہ ہے کہ "حمیر کی زبان ہماری زبان کے مثل نہین" اور اس کے علاوہ اثری تحقیقات مین بھی بہت سے ایسے نقوش و نصوص ملے ہین، جو ان دونون کی زبانون کو ایک دوسرے سے اس طرح مختلف ثابت کرتے ہین جیسے کہ زبان عربی اور سامی زبانون مین سے کسی ایک مین تفاوت ہو سکتا ہے، لیکن باوجود اس کے قحطانی و عدنانی شعرائے جاہلی کے جو اشعار موجود ہین، ان کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے بجائے بالکل قرآن کی زبان ہے، اسلیے یہ یقینی ہے کہ ان شعراء کے دواوین و اشعار کا صرف انتساب غلط ہے بلکہ یہ سب اسلام کے بعد کی چیزین ہین"

مؤلف نے کہان کی بات کہان پہنچا دی، کلام عرب کے اختلافات سے کون ناواقف ہے، وہ اختلاف کہین ایک آدھ کلمہ، ایک دو حرف، یا طریقۂ اعراب اور بلکہ یون سمجھو کہ صرف طریقۂ ادا مین ہے، اور یہی معنی ابوعمر کے جملہ کے ہین، نہ کہ ایسی مغایرت جیسی کہ عربی اور کسی سامی زبان مین ہے، مؤلف اثری تحقیقات کا حوالہ دیتا ہے، لیکن اگر واقعی ایسی مغایرت تھی اور اس کے ثبوت مین نقوش اور نصوص موجود ہین تو صرف حوالہ کافی نہین، ان کو پیش کرنا چاہیئے تھا، بلکہ اسکی ضرورت تھی کہ زبان کی اس مغایرت کے زمانہ کی تعیین بھی کیجاتی، کیونکہ شعرائے جاہلی کے جو دواوین موجود ہین، وہ بعثت نبوی سے دو یا زیادہ سے زیادہ تین صدی پیشتر کے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہے اور خود مؤلف نے بھی اقرار

کیا ہے کہ عربون مین بیت الحرام کے حج کا طریقہ بعثت نبویؐ کے دو تین صدی پیشتر سے رائج تھا، اور اس وقت سے جزیرۂ عرب کے تمام قبائل اطراف و جوانب سے مکہ معظمہ کو حج کے لیے آتے تھے، جن سے قحطانی مستثنیٰ نہین ہین، اور یہ بھی معلوم ہے کہ عراق، نجد، شام، حجاز اور یمن وغیرہ مین عدنانیون اور قحطانیون کی آمد و رفت ہوتی رہتی تھی، ان مین باہم کبھی اخوت و مودت کے تعلقات ہوتے تھے، کبھی لڑائیان ہوتی تھین، اور تجارتی معاملات کا سلسلہ تو ہمیشہ جاری رہا، جنکے ثبوت خود مؤلف کے قول کے مطابق شعرائے جاہلی کے کلام مین موجود ہین، تو پھر ان قبائل کے اس قدر شدید اختلاط کے باوجود کیونکر ممکن ہے کہ ان مین کوئی ایسا اتحاد لسانی موجود نہ تھا جس سے ان دونون کے شبانہ روز کے تعلقات استوار تھے، ورنہ اگر ان کی زبانون مین باہمی ایسی مغایرت ہوتی جیسے کسی سامی زبان کی ہو سکتی ہے تو پھر وہ دوسری زبان ظہور اسلام کے بعد دفعۃً کیونکر اس طرح فنا ہو گئی کہ عربی ادبیات مین اس کا کوئی نام و نشان تک موجود نہین ہے، اور علاوہ ازین اس شدید مغایرت لسانی کے باوجود وہ ظہور اسلام کے ساتھ قرآن پاک کو کیونکر سمجھ سکے، اور اگر نزول قرآن کے وقت ان کی زبان زندہ ہوتی تو اس کا اثر قرآن کی زبان پر یقینی طور پر پڑتا جبکہ قرآن پاک کے مخاطب مخصوص طور پر وہ بھی تھے،

ہان اگر مؤلف زمانہ کی تعیین کرتا اور مغایرت لسانی کو بعثت نبویؐ سے بیس صدی پیشتر سے منسوب کرتا تو اس نظریہ کے معقول ہونے پر بحث کیجا سکتی تھی، اسلئے کہ عدنانی بنو اسمٰعیلؑ ہین، اور یہ یقینی تھا کہ انکی آمد کے وقت انکی زبان قحطانیون سے بالکل مختلف ہوگی، لیکن جب یثرب کے یہود جو بالکل آخر زمانہ مین عرب مین آئے، بعثت نبویؐ سے پہلے ایسے ہی فصیح اللسان تھے جیسے خود عرب، تو عدنانی بیس صدی گذرنے پر جبکہ انھون نے جزیرہ مین باقتدار زندگی گذاری، اور ان کے تجارتی، جنگی اور دینی تعلقات سارے عرب سے ہو گئے تھے، پھر قحطانیون اور عدنانیون مین یہ اتحاد لسانی کیونکر نہ ہوتا،

کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ سے جو نسبت حاصل ہے، اس کے متعلق مؤلف کا خیال ہے

کہ یہ سب جزیرہ عرب میں یہودیون کے شائع کردہ مزخرفات ہین، جنکی تاریخی حیثیت سے کوئی اصلیت نہیں

لیکن یہودیون کا حجاز سے علاقہ زیادہ سے زیادہ ساتوین صدی سے پیشتر کا ثابت ہوا ہے، جس کا خود مؤلف کو بھی اعتراف ہے، اور معلوم ہے کہ بعثت نبوی ساتوی صدی کے اوائل مین ہوئی ہے، تو اس قدر قلیل مدت مین اسلام سے پیشتر ہی "یہودیون کے یہ مزخرفات" جزیرہ عرب کے تمام عربون کے درمیان ایک حقیقت ثابتہ اور عقیدہ دینیہ کیونکر قرار پا گئے؟ اور بہ فرض اس عقلی تباین کو اس وقت نظر انداز کیا جا سکتا تھا، جب مؤلف اپنے دعوی کی کوئی دلیل یا معقول توجیہ پیش کر سکتا، لیکن بغیر کسی دلیل اور معقول توجیہ کے مؤلف کا نظریہ عقلی گمراہی کے علاوہ اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

مؤلف نے اشعار کے انتساب پر طویل بحث کی ہے، اور سیاست، مذہب، قصص اور قبیلہ کی باہم عصبیت کو اس کا سبب قرار دیا ہے، اور خود رواۃ کی بعض تصریحون سے اس کو پایہ ثبوت تک پہنچایا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مؤلف کی یہی ایک بحث ہے جو نہ صرف قابلِ اعتنا بلکہ قابلِ قبول بھی ہے، لیکن مؤلف کے طرز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شعرائے جاہلی کے تمام کلام کو موضوع قرار دے رہا ہے، مگر پھر یہ بوالعجبی دیکھو کہ آگے چلکر وہ خود اس تعمیم پر قائم نہین رہتا، اور اس کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ حکم اکثر اشعار جاہلی پر صادق آتا ہے، صرف اشعار کی ایک قلیل تعداد ایسی ہے جس کے انتساب کو صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن سخت افسوس یہ ہے کہ مؤلف نے کم از کم ان اشعار مین سے چند نمونے بھی پیش نہین کئے جنکا استناد اس کے نزدیک صحیح ہے، تاکہ پڑھنے والا عدنانی و قحطانی شعراء کے کلام مین کوئی امتیاز قائم کر سکتا، اور اسکی روشنی مین کلام عرب کا مطالعہ کر کے مؤلف کے نظریہ پر غور کرتا،

علاوہ ازین مؤلف نے کسی شاعر کے صرف ایک دو شعر کے غیر مستند ہو جانے سے اس کے تمام اشعار پر یہی حکم لگا دیا ہے، اور اسی طرح بعض شعراء کے تراجم مین بعض مبالغہ آمیز روایت کی آمیزش کی بنا پر اس نے سرے سے ان کی شخصیت ہی سے انکار کر دیا ہے، کیا یہ طرز عمل اصول درایت کے

لحاظ سے صحیح قرار پا سکتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اس تمام سلسلہ بحث و تمحیص مین پہلے یہ غور کر لینا چاہیے تھا کہ اگر فی الواقع شعرائے جاہلی کی طرف اشعار غلط طور پر منسوب کئے گئے ہین تو جن شعرا کی طرف یہ انتساب ہوا ہے کم از کم عرب انکو اس انتساب کے پہلے جانتے ہون گے اور ان کے کلام بھی ان مین رائج ہون گے تو اگر کوئی جعل بناتا تو نقل کو اصل سے ملانے کے لیے جعلی اشعار اسی انداز پر بناتا جس پر پہلے سے اشعار موجود تھے، ورنہ اصل و نقل مین کیا تطابق ہوتا، اسلیے اگر واقعی اشعار وضع کئے گیے تو بھی اس امر پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ شعرائے جاہلی کی زبان ایک دوسرے سے مختلف نہ تھی، ورنہ یہ وضع کردہ اشعار کی زبان بھی یقینی مختلف ہوتی، اور اگر ایسا نہین تو پھر یہ کون باور کر سکتا ہو کہ پہلے اس قدر کثیر شعراء کے نام وضع کئے گئے، پھر ان کی شاعری کے لحاظ سے ان کے مختلف طبقات قائم کئے گئے، اور اسی تناسب سے اشعار وضع کئے گئے، کہ ایک شاعر کا مخصوص رنگ دوسرے کے کلام سے ممتاز نظر آئے؟

اس کتاب کے بہت کم نسخے شائع ہوئے تھے کہ وزارت معارف مصر نے تمام نسخے خرید کر اسکی اشاعت ملتوی کر دی اور اب اس کا مقدمہ مصر کی عدالت مین پیش ہے،

ہندوستانی تاریخی کمیشن کا اجلاس لکھنؤ،

آج سے نو سال پہلے کلکتہ کے بعض تاریخ دوست اصحاب نے ان کاغذات کو جو حکومت ہند و بنگالہ کے محافظ خانون مین محفوظ ہین، اور جن سے ایک بڑی حد تک نہ صرف ہندوستان کی صحیح تاریخ مرتب ہو سکتی ہے، بلکہ بہت سے راز جو اب تک معلوم یا کسی دوسری وجہ سے پردۂ خفا مین ہین ظاہر ہو سکتے ہین) دیکھ کر یہ طے کیا تھا کہ ان کاغذات اور دوسرے اسی قسم کے ذخائر سے مضامین اور کتابین مرتب کیجائین، اور حکومت ہند محقق مورخین کو ان کاغذات کے استعمال کی اجازت دے، چنانچہ اسی وقت

ان لوگون نے سرکاری منظوری کے ساتھ "ہندوستانی تاریخی کمیشن" نام ایک انجمن قائم کرکے اور سر ایون کاٹن کو جو سرکاری اعلیٰ عہدہ کی ذمہ داری کیساتھ رسالہ بنگال پاسٹ و پریزنٹ (BENGAL PAST PRESENT) کے اڈیٹر کی حیثیت سے خاص تاریخی و ادبی شہرت رکھتے ہین، اس کا صدر اور نواب زادہ عبد العلی صاحب ایم، اے، کو جو اس محافظ خانہ کے ذمہ دار افسر ہین، اس کا ناظم مقرر کیا گیا، اور مورخین ہند نے اس کا اولین اجلاس کلکتہ ہی مین مقرر کرکے اس کو مستقل مفید مجلس بنا دیا، اس وقت سے اس کمیشن کے سالانہ اجلاس ہندوستان کے مختلف تاریخی شہرون مین ہوتے رہے ہین، اور اب اس سال اس کا نوان سالانہ جلسہ اودھ کے دار السلطنت اور ایک حد تک اسلامی تمدن کے مرکز لکھنؤ مین گذشتہ دسمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸ کو ہوتا رہا، اس کے ساتھ ہی سرکاری اہم کاغذات اور ذاتی تصاویر تاریخی اسناد، دستاویزات و رسکون کی نمائش بھی کیگئی،

مستقل صدر کی عدم موجودگی مین خیال تھا کہ حکومتِ ہند کے قائم مقام رکن تعلیم اس سالانہ جلسہ کی صدارت کرین گے، لیکن انکے وقت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے، یہ عزت ہندوستان کے مستند مورخ، جامعۂ کلکتہ کے وائس چانسلر اور مشہور مصنف بابو جدوناتھ سرکار ایم، اے، آر، پی، ایس، کے حصہ مین آئی، انتخابِ صدر کے بعد وزیر تعلیمات صوبہ متحدہ نے گورنر صوبہ کی طرف سے عدم شرکت کی معافی کا پیغام پڑھا اور اودھ کے سرکاری کاغذات کے غدر کے وقت تلف ہونے اور بعد ازان نذر آتش ہو جانے پر اظہار افسوس کیا اور بتایا کہ یہان دیوانی کے کاغذات ۱۸ وین صدی کے آخر سے اور مال کے کاغذات انیسوین صدی کے آغاز سے شروع ہوتے ہین، اور پانچ سال سے مسٹر ابو محمد ایم، اے ان کے مطالعہ و ترتیب مین مشغول ہین، اسکے علاوہ لکھنؤ اور الہ آباد کے جدید و قدیم جامعون مین بھی جو تاریخی کام ہو رہے ہین ان کا حوالہ دیا، اس پیغام کے خاتمہ پر مختصر لیکن دلچسپ افتتاحی صدارتی تقریر ہوئی اور پھر ۱۲ بجے تک مختلف اشخاص نے اپنے مضامین پڑھے، ۱۲ بجے تاریخی نمائش کا جس کے کامیاب بنانے مین نہ صرف ناظم صاحب ممدوح بلکہ مقامی رؤسا

و تاریخ دوست اصحاب نے حصہ لیا تھا، رسمی افتتاح کیا گیا، اس افتتاح کے بعد پہلے دن کا اجلاس ختم ہوا، ۱۷ اور ۱۸ کو اجلاس کیساتھ ہی ساتھ دعوتون اور تاریخی مقامات کی سیر کا سلسلہ بھی جاری رہا،

کمیشن کے سہ روزہ اجلاس مین جو مضامین پڑھے گئے ان مین قابلِ ذکر یہ ہین:-

(۱) سر ایون کاٹن، — مینائے ڈی بوائن،

(۲) بابو جدوناتھ سرکار — سترہوین و اٹھارہوین صدی کے مرہٹون کے خاندانی کاغذات

(۳) جے، جے، کاٹن، — ولیم نائٹن کی مشہور کتاب "ایک مشرقی حکمران کی خانگی زندگی" (جو نواب نصیر الدین کے حالات پر مشتمل ہے)

(۴) ڈاکٹر شفاعت احمد خان، "حلیہ ہندوستان پر نئی روشنی" (یہ مضمون کمپنی کے صدر دفتر کے کاغذات ۱۱ دسمبر ۱۶۶۸ء سے ۱۶۷۱ء تک کے مطالعہ پر مبنی ہے)

(۵) پروفیسر جے، سی، سنہا، — لارڈ کارنوالس کے زمانہ مین کمپنی کی بنگال مین تجارت

(۶) پروفیسر سی، ایس سرنیواس آچاری، — برامحل کے کاغذات مین ابی ڈوبے کا تذکرہ،

(۷) پادری ایچ، ہیراس ایس، جے، بمبئی — جہانگیر اور پرتگالی،

(۸) پروفیسر جے، این، سمادار، پٹنہ — ۱۶۴۲ء مین تسخیر روہتاس کے متعلق بعض مزید معلومات،

(۹) پروفیسر ایچ، سی، سنہا — ہندوستان مین محدود ذمہ داری کا اولین بینک،

(۱۰) پروفیسر قانون گو، — شہزادہ دارا شکوہ اور مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ،

(۱۱) رائے رام پرشاد چندا — کلکتہ عجائب خانہ مین منڈلا منج کا تاریخی حصہ،

(۱۲) مسٹر سروپ جے، سیٹھ — ۵۰ اق م مین ہندوستانیون کی آرمینا مین آبادی،

(۱۳) مسٹر برجندر ناتھ بنرجی، — راجا رادھا کانت دیب کی ملکی خدمات،

(۱۴) مسٹر نیڈ ورنگ، — سیواجی کے متعلق پرتگالیون کی حکمت عملی،

(١٥) نواب زادہ ایم عبدالعلی صاحب شجاع الدولہ،

اجلاس کی کارروائی اور مضامین کی فہرست دیکھ کر جو تکلیف دہ احساس ایک علم دوست مسلمان کے دل مین پیدا ہوتا ہے، وہ اس مجلس مین مسلمانون کی عدم شرکت ہے اگرچہ دوران اجلاس مین مسلم کلب، اور امام بارہ حسین آباد مین متعدد اشخاص کی دعوت مسلمانون کی طرف سے ہوئی، لیکن وہ علمی دلچسپی سے زیادہ ذاتی نمائش کا پہلو لیے ہوئے تھی، ہم کو امید تھی کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ مین تو کم از کم علی گڈہ کے اراکین تاریخ مین سے کوئی صاحب ضرور اس مین شرکت کرین گے، لیکن اس عنصر کا ایک عام فقدان ہے، کیا مسلمان اسی طرح دوسری قومون کا ہر شعبۂ حیات مین مقابلہ کرنا چاہتے ہین، بہت ممکن تھا کہ وہ اس مجلس مین شریک ہو کر اوران غلط بیانون کی تردید پر جو بصدقہ صورت اختیار کرتے جاتے ہین مضامین پڑھکر ان کی اصلاح کرتے اور اس طرح تردیدی مواد کا ذخیرہ بھی ہمارے سامنے آجاتا، لیکن ہم خود کچھ نہین کرتے اور جب کوئی دوسرا اپنے نقطۂ خیال سے ہمارے خلاف کچھ لکھتا ہے تو اس کے خلاف ایک بیکار شورش برپا کر دیتے ہین،

"ن"

حضرت لقمان کی شخصیت

حضرت لقمان عربون کے درمیان ایک صاحب ایمان اور اہل حکمت کی حیثیت سے روشناس ہین اور اسی حیثیت سے قرآن مجید نے بھی انکو پیش کیا ہے، اور ان کے عمدہ نصائح کا تذکرہ کیا ہے، لیکن تاریخی حیثیت سے انکی شخصیت کی تعیین اور انکی قومیت کے متعلق سخت اختلاف ہے، بعض انکو خالص عرب بعض حبشی اور بعض یونانی سمجھتے ہین، جو لوگ انکو عرب مانتے ہین، وہ بھی اُنکے سلسلۂ نسب کے بیان مین مختلف ہین،

جان ہے کہ ایک عالم ذی المنار (مصر) کے گذشتہ پرچہ مین حضرت لقمان کی شخصیت پر ایک مضمون لکھا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ توراۃ مین بلعام بن باعور کے نام سے جس غیر اسرائیلی حکیم کا تذکرہ ہے در حقیقت وہی عربون کا لقمان ہے، عالم موصوف اسی سلسلہ مین لکھتے ہین کہ:

"بلعام بن باعور توراۃ مین کفار کے قبیلہ کے ایک حکیم کی حیثیت سے مذکور ہے، جسکو اُسکے قبیلہ کے لوگ بنی اسرائیل کو بددعا دینے کیلئے بلاتے ہین، وہ آتا ہے اور بددعا نہین کرتا، توراۃ مین ہے کہ وہ خدا کی اجازت سے آتا ہے، اور وہ جب تک خدا اُسے اجازت نہ دے، نہین بولتا، بہرحال یہی

بلعام بن باعور، عربون کا لقمان بن باعور حکیم ہے،

اس نظریہ کی تائید پیرس کی جمعیۃ شرقیہ کے سرگرم رکن ڈاکٹر جی ڈرنبرگ بھی کرتے ہین، اور اسی دلیل مین بیان کرتے ہین کہ اول تو لقمان اور بلعام نسب مین دونون باعور سے منسوب ہین، دوسرے ایک قدیم کتاب مین جسکا مصنف "انوخ" ہے، تصریح موجود ہے کہ "لقمان" اور "بلعام" ایک ہی مسمّی کے دو اسم ہین، یعنی بلعام وہی فلسفی ہے، جسکو عرب "لقمین" کہتے ہین، "لغوی حیثیت سے دیکھو تو "بلع" اور "لقم" دونون کے ایک معنی نگلنے کے ہین، "بلع" عبرانی مین اسی معنی مین آتا ہے،

ڈاکٹر جی ڈرنبرگ کے اس نظریہ کو قابل قبول سمجھنے مین تاریخی نقطۂ نظر سے اس کے تسلیم کرنے مین کوئی امر مانع نہین، لیکن اس مین جو پیچیدگی ہے وہ یہ ہے کہ اگر لقمان اور بلعام دونون ایک ہی شخص کے دو نام ہین، تو پھر بلعام کو توراۃ مین کفار کی جماعت کا ایک فلسفی بتانا اور قرآن میں لقمان کو ایک مومن کامل اور حکیم کہنا کیا معنی رکھتا ہے، ہماری تفسیرون مین بلعام کے متعلق جو روایات ہین وہ تمامتر "اسرائیلیات" یعنی یہودیون کی وہ ہدایتین ہین جنکو انھون نے اسلام لانے کے بعد اپنے قدیم مذہبی معلومات کی بنا پر علمائے اسلام کے سامنے بیان کیا، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے ان روایات کی کوئی وقعت نہین، کیونکہ وہ سب یہودیون کے مزخرفات سے مملو ہین، اس کے بعد توراۃ اور قرآن پاک کے اختلاف کو سامنے لاؤ تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محرف توراۃ مین بلعام کے متعلق جو کچھ ہے اسکی تصدیق ہمارے لیے ضروری نہین ہے، کیونکہ توراۃ اور قرآن مجید مین یہ اختلاف صرف لقمان ہی کے متعلق نہین، بلکہ ان دونون کے سوا اور دیگر انبیاءؑ کے مقدس حالات اور اخلاقیات کے متعلق بھی شدید اختلافات ہین، مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت لوط علیہم السلام وغیرہ انبیائے کرامؑ کے متعلق توراۃ اور قرآن پاک مین اسی قسم کے اختلافات ہین، حضرت داؤد اور سلیمانؑ توراۃ کے رو سے پیغمبر نہین سمجھے جاتے اور قرآن ان کو پیغمبر قرار دیتا ہے، حضرت لوط کو توراۃ مجرم اور

قرآن ان کو معصوم ٹھہراتا ہے، اسی طرح بلعام کے کافر ہونے کے متعلق بھی توراۃ مین جو کچھ ہے وہ خود اپنے بیان کے تضاد کے سبب سے ناقابلِ اعتبار ہے، ایک جگہ تو اس کا خدا کی اجازت سے آنا اور پھر آنے پر خدا کا اس پر عتاب کرنا متضاد ہے، اور پھر جب وہ خدا کے حکم سے آتا جاتا ہے اور فرشتے اس کو نظر آتے ہین تو وہ کافر کیونکر ہوگا، اسی بنا پر خود عیسائی علماء نے بلعام کے متعلق توراۃ کے مضطرب، متباین اور ایک دوسرے سے متضاد بیانات سے عاجز آکر توراۃ کی تمام تصریحات کی تکذیب کی ہے، ایسی حالت مین تورات کے یہ مضطرب بیانات قرآن مجید کے بیان کی صداقت پر کیونکر اثر ڈال سکتے ہین جو اس کو ایک کامل مومن اور موحد حکیم ٹھہراتا ہے،

اسلیے اس نئی تحقیق کی بنا پر بلعام اور لقمان ایک ہی مسمّی کے دو اسم کہے جا سکتے ہین اور اسکے ساتھ یہ تصریح بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ وہ ایک مومن کامل حکیم تھے، نہ کہ کافر،

"ر"

ساتوین صدی کی ایک اسلامی گھڑی،

قاہرہ کُتب خانۂ تیموریہ مین تاریخ کی ایک کتاب کے بعض اجزا ہین، جسکے ناقص ہونے کے باعث ابھی تک نہ اس کے مصنف کا پتہ چلا ہے اور نہ اس کتاب کا نام معلوم ہو سکا ہے، ان اجزا سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ عام عرب مورخین کے اصول ترتیبِ کتاب کی طرح اسکی ترتیب بھی سنین پر ہے، کیونکہ ان اجزا مین ۶۲۶ھ سے ۶۴۰ھ تک کے مسلسل واقعات موجود ہین،

انھین اجزا مین حوادث ۶۳۳ھ کے ذیل مین ایک مدرسہ طبیہ اور شفاخانہ کی عمارت کی تکمیل کے حالات درج ہین جسکو خلیفہ مستنصر عباسی نے مدرسۂ مستنصریہ کے سامنے بنوایا تھا، مدرسہ طبیہ کی عمارت کے سلسلہ مین مصنف نے ایک گھڑی کے حالات بھی لکھے ہین، جس سے عربون کی صناعی کا پتہ چلتا ہے، اس مین مذکور ہے کہ:-

"اس سال یعنی ۶۳۳ھ مین اس ایوان کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی جو مدرسہ مستنصریہ کے سامنے بن رہا تھا، اس ایوان مین ایک بلند اسٹیج بنایا گیا ہے جسپر اطبا کی نشست ہوتی ہے اور اس کے قریب طلبہ کی نشست گاہ ہے تاکہ وہ اطبار کی تشخیصِ امراض وغیرہ سے مستفید ہو سکین،

اسی اسٹیج کی دیوار پر ایک دائرہ ہے جس مین آسمان کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس مصنوعی آسمان مین چند نہایت خوشنما محرابین بنائی گئی ہین جنمین دروازے لگے ہوئے ہین اور دائرے کے وسط مین سونے کے دو باز بنائے ہین جو سونے کے دو طشت مین کھڑے ہوئے ہین، اور ان مصنوعی بازون کے پیچھے پیتل کے دو گولے ہین جو سامنے سے نظر نہین آتے،

ایک گھنٹہ گذرنے پر پیتل کے دونون گولے بازون کے منہ مین آتے ہین اور پھر ان کے منھ سے سونے کے طشت مین گرتے ہین اور ان کے گرنے کے ساتھ محرابون مین سے ایک کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور اس کے بعد وہ گولے اپنی جگہ پر چلے جاتے ہین، اور اسی طرح ایک ایک گھنٹہ پر ایک ایک دروازہ کھل جاتا ہے،

اور نیز طلوعِ آفتاب کے ساتھ اس دائرے کے لاجوردی آسمان مین سونے کے چند ہلال نمودار ہوتے ہین، جو آفتاب کی گردش کے ساتھ گردش کرتے ہین، اور اس کے غروب ہوتے ہی وہ بھی غائب ہو جاتے ہین،

اور جب رات آجاتی ہے تو پھر چند چاند نکلتے ہین جنکے پیچھے ہلکی سی روشنی ہوتی ہے، اور جیسے جیسے وقت گذرتا ہے، ان مین سے ایک چاند کی روشنی بڑھتی جاتی ہے یہان تک کہ وہ ایک گھنٹہ مین ماہ کامل بنجاتا ہے، اسی ترتیب سے یہ سلسلہ طلوعِ آفتاب تک جاری رہتا ہے، اور اس طرح یہ گھڑی شبانہ روز کے اوقات بتاتی رہتی ہے

نورالدین علی بن ثعلب ساعاتی (گھڑی ساز) المتوفی ۶۸۳ھ اس گھڑی کا نگران تھا، جو تمام عمر اسی خدمت پر مامور رہا، یہانتک کہ ۶۸۳ھ مین وفات پائی،"

"ر"

اخبار علمیۃ

عراق مین مجمع علمی کا قیام، عراق مین وزارت معارف کی طرف سے دس ہزار روپیے کے سرمایہ سے ایک علمی انجمن المجمع العلمی العربی کے نام سے قائم ہوئی ہے، جو عراق مین تصنیف و تالیف کے ذریعہ علمی خدمات انجام دیگی، اس مجمع کے صدر مشہور شاعر السید الرصافی ہین، اور رفقاے مجمع مین سے انستاس الکرملی، شیخ طہ الراوی اور ساطع بک الحصری وغیرہ ہین،

نباتات کے اسمار کا ایک لغت، ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک نے "المعجم فیما خفی من اسمار النبات و المستجم" کے نام سے ایک لغت تیار کیا ہے جس مین ہر قسم کے نباتات کے نام جمع کئے ہین، اس لغت مین تقریبًا چار ہزار نباتات کے نام ہین، ترتیب یون ہے کہ وسط مین نبات کا لاطینی نام ہے اور اس لاطینی نام کے بائین طرف اسکی کوئی مخصوص علامت بتائی گئی ہے، پھر اسی طرف اس کا فرانسیسی نام ہے، اور پھر انگریزی نام درج ہے، اور پھر لاطینی نام کے دائین طرف اس کا عربی یا معرب نام لکھا گیا ہے، کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور عنقریب مصر کی وزارتِ معارف کی طرف سے شائع ہونے والی ہے،

حکومت بیزنطی کے آثار، برٹش میوزیم نے ایک وفد ترکی کو روانہ کیا ہے تاکہ قسطنطنیہ مین حکومت بیزنطی کے آثار قدیمہ کی جستجو کرے یہ وفد، سلطان احمد کے میدان مین کام کرے گا، جہان حکومت بیزنطی کے بہت سے آثار کے ملنے کی توقع ہے، حکومت ترکیہ نے اس وفد کو سال بھر تک اس میدان مین کام کرنے کی اجازت دی ہے،

پھانسی کی سزا کی منسوخی، موسیو لینی پر متعدد مرتبہ قاتلانہ حملہ ہونے کے باعث اٹلی مین یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ پھانسی کی سزا جو اٹلی مین مدت سے منسوخ ہو چکی ہے، پھر نافذ کر دیجائے، اس سلسلہ مین ذیل کا نقشہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا جس سے معلوم ہوگا کہ کس ملک مین کب یہ سزا منسوخ ہوئی،

نام ملک	سنہ تنسیخ	نام ملک	سنہ تنسیخ
پرتگال	سنہ ۱۸۴۶ء	ہالینڈ	سنہ ۱۸۷۰ء
اٹلی	سنہ ۱۸۸۰ء	ناروے	سنہ ۱۹۰۲ء
روس	سنہ ۱۹۰۳ء	اسٹریا	سنہ ۱۹۱۸ء
سوئڈن	سنہ ۱۹۲۱ء		

ان ممالک کے علاوہ رومانیہ، سوئیٹزرلینڈ اور ولایات متحدہ امریکہ مین سے آٹھ ولایتون مین بھی اس سزا کی تنسیخ ہو چکی ہے،

ان کے علاوہ بعض ممالک ایسے ہین، جہان اسکی تنسیخ نہین ہوئی لیکن وہان مدت سے اس پر عملدرآمد نہین ہوا ہے، مثلاً فنلینڈ مین سنہ ۱۸۲۶ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک اور ڈنمارک مین سنہ ۱۸۹۳ء سے اب تک کسی کو پھانسی نہین دیگئی، اور اسی طرح بلجیم مین بھی تقریبًا ۸۰ برس سے اب تک کوئی شخص پھانسی کے تختہ پر نہین چڑھایا گیا ہے،

تیرنے والا ہوائی جہاز، جرمنی مین ایک ایسا ہوائی جہاز تیار ہوا ہے جس مین طاقتِ پرواز کے ساتھ سمندرون مین تیرنے کی بھی صلاحیت موجود ہے، اب تک بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ہوائی جہازون کی قوت بیکران سمندرون کے اوپر پرواز کرتے ہوئے ختم ہو جاتی تھی جسکی وجہ سے وہ اوپر سے گر پڑتے تھے، جس سے ان کی بربادی کے علاوہ مسافرون کی جانین تلف ہوتی تھین،

لیکن اس جدید اختراع سے خاص سہولت یہ ہوگی کہ جب انکی قوتِ پرواز کمزور ہوجائے گی تو ان کو ہوا سے اوتار کر سطحِ سمندر پر ڈال دینگے، اور ان مین تیرنے کی قوت ہونے کی وجہ سے ان کی مسافت کے طے کرنے مین بھی تعویق نہ ہوگی،

امریکہ مین موٹرون کی کثرت، امریکہ مین موٹرون کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہان ان پر صرف آٹھ مہینہ مین اس قدر کثیر رقم صرف ہوتی ہے جس قدر حکومت برطانیہ عظمی نے جنگ عظیم کے دوران مین مختلف ممالک سے قرضے لیے تھے.

نیوزیلینڈ مین درندے کیون نہین ہوتے، یہ عجب اتفاق ہے کہ نیوزیلینڈ مین درندون کا سرے سے وجود نہین ہے حالانکہ بالکل اس کے قریب ہی آسٹریلیا مین وہ بہ کثرت پائے جاتے ہین، اسکی توجیہ یہ کیجاتی ہے کہ یہ مقام دنیا کے براعظمون مین حیوانات کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی اُن سے جدا ہوگیا اسلیے یہان کسی قسم کے حیوان کا وجود نہ تھا، اسکے بعد ان براعظمون سے پرندے اڑکر یہان پہنچے جنکے پرون مین نباتات کے بیج تھے، یا یہ ممکن ہے کہ وہ بیج ان کے پنجون مین لگے رہ گئے ہون، اور یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمندر نے اپنی موجون کے ذریعہ سے نباتات کے دانے اس مقام مین ڈال دیئے ہون، لیکن درندون کے پہنچنے کی کوئی صورت نہ نکل سکی، اسلیے ابھی تک یہ ملک ان سے خالی ہے،

آفتاب کی حرارت، ڈاکٹر جاٹر امریکہ کے ماہرینِ فلکیات مین نہایت بلند شخصیت رکھتے ہین، جنکی سی سالہ جد وجہد حرارتِ آفتاب کے متعلق بہت کچھ معلومات بہم پہنچا چکی ہے، اب ان کا مقصد ہے کہ آفتاب کی حرارت کے متعلق انتہائی کدوکاوش سے جزوی سے جزوی معلومات

و قیاسات یکجا کرلین، چنانچہ اس مقصد مین کامیاب ہونے کے لیے امریکہ کی جمعیتہ جغرافیہ وطنیہ نے الہتر پونڈ عطا کیے ہین تاکہ ان سے مغربی افریقہ کے جنوبی حصہ مین ایک رصدگاہ قائم کیجاے جو کلیفورنیا اور چلی کی رصدگاہون کو حرارتِ آفتاب کے متعلق روزانہ قیاسات و معلومات حاصل کرنے مین مدد دے سکے، پھر جب کافی سرمایہ جمع ہوجائے گا تو نصف کرۂ شرقی کے شمال مین اسی مقصد کیلیے ایک اور رصدگاہ قائم کی جائے گی،

جامع خاصگی کی محراب، بغداد مین جامع خاصگی نام ایک جامع مسجد تھی جسکی ایک محراب اب تک موجود ہے، خیال کیا جاتا ہے، کہ یہ نہایت قدیم اسلامی عربی تعمیر کی یادگار ہے، یہ طے ہوگیا تھا کہ اس محراب کو صندوق مین رکھکر لندن کے عجائب خانہ مین بھیجدیا جائے، مگر خیر گذری کہ بروقت عرب قدرشناسون کے شوروغل نے اس فتنہ کا خاتمہ کردیا، اور اب یہ محراب عربی عجائب خانۂ بغداد مین ہے،

کتبخانۂ حیدریہ، عراق کی وزارت اوقاف نے یہ طے کیا ہے کہ نجف اشرف مین ایک کتبخانہ قائم کیا جائے، جس کا نام حضرت علی مرتضیٰؓ کے لقب حیدر کی مناسبت سے حیدریہ رکھا جائے، اس وقت حضرت علی مرتضیٰؓ کے مشہد مین جو کتابین موجود ہین، وہ بھی اسی کتب خانہ مین شامل کردیجائینگی،

اسلامی فنون کی نمائش، قاہرہ (مصر) کے بعض پرجوش مسلمان یہ تجویز کررہے ہین کہ مصر مین اسلامی ہنر وفن وصنعت کی ایک نمائشگاہ قائم کیجائے، یہ نمائشگاہ غالباً تزان پاشا کے محل واقع میدان باب الحدید مین قائم ہوگی، امیر یوسف کمال اس تحریک کے اصل بانی اور کارفرما ہین،

نیل الاوطار، فقہ اسلامی کی مشہور کتاب نیل الاوطار کے طبع ثانی کی اطلاع معارف مین پہلے شایع ہوچکی ہے، گذشتہ ماہ مین اسکی آٹھوین اور نوین جلد بھی طبع ہوگئی، اور اسی پر کتاب بھی ختم ہوگئی، آخر مین شیخ محمد منیر دمشقی نے اصل متن منتقی اور اسکے مصنف مجدالدین ابن تیمیہ اور نیل الاوطار اور اسکے مصنف قاضی شوکانی کے حالات لکھ کر اضافہ کئے ہین،

"م"

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے،

گذشتہ شش ماہی اردو صحافت مین دو قابل الذکر خصوصیتون کی وجہ سے ممتاز رہے، (۱) نسوانی رسائل کا اجرا اور (۲) دور دراز صوبون مین مختلف متعدد رسائل کی اشاعت،

یون تو تقریباً ربع صدی پہلے ہی سے ہندوستان مین نسوانی طبقہ کے لیے مسلمانون مین مخصوص پرچے نکلنے لگے تھے، اور شیخ عبد اللہ صاحب وکیل علی گڈہ نے خاتون کے ذریعہ ان کا معیار بلند تر بھی کر دیا تھا، لیکن عام فقدانِ تعلیم اور شریف خواتین کے "ذوقِ مضمون نگاری" کو پرانی وضع کے خلاف سمجھنے کی وجہ سے ان کو وہ ترقی، علمی مرتبہ اور حلقۂ اثر کی وسعت نصیب نہین ہوئی جو اب بست و پنج سالہ مغربی تعلیم اس کے اثرات اور نتائج کی بناپر حاصل ہو رہی ہے، اس وقت بھی تہذیب النسوان، ظل السلطان، پردہ نشین، عصمت وغیرہ بحمد اللہ اپنی ہستی کو قائم رکھے ہوئے ہین،

لیکن اب تک جو زنانہ اخبار یا رسائل شائع ہوتے تھے ان مین زیادہ تر مردون کے ہاتھ ہوتے تھے، مگر گذشتہ دو سالون سے جو رسالے نکل رہے ہین ان کی یہی ایک خصوصیت نہین ہے کہ ان کی ذمہ دار کارکن ہستیان علمی حیثیت سے بلند مرتبہ ہین بلکہ ان کا تعلق بھی اسی جنس لطیف سے ہے، اور اس طرح وہ اگر اپنی بہنون کے خیالات کو بہتر سمجھتی ہین تو ان کے مطالبات کو بھی پورے زور کیساتھ پیش کر سکتی ہین، چنانچہ گذشتہ سال جو دو رسالے، سہیلی، اور سرتاج، علی الترتیب امرتسر و ملتان سے نکلنا شروع ہوئے تھے انھون نے پنجاب، صوبہ متحدہ اور بہار تک مین اپنے رفقا پیدا کر لئے ہین، ان مین سے اس سال سب سے پہلے شائع ہونیوالا رسالہ نورجہان ہے، یہ رسالہ پنجاب کے مشہور اہل قلم مولوی محمد عبد اللہ منہاس کی زیر ہدایت محترمہ سعادت

سلطان صاحبہ کی زیر ادارت جنوری ۲۶ء سے جاری کیا گیا ہے، مضامین بلند پایہ، مفید اور دلچسپ ہوتے ہین اس رسالہ نے نصاب تعلیم نسوان کا تشنۂ بحث موضوع چھیڑ کر ایک اہم مسئلہ کو ملک و قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے اسکی سالانہ قیمت قسم اول صہ اور دوم سے ہے، پتہ منیجر نورجہان امرتسر،

اس کے بعد جو رسالہ ہم تک پہنچا، وہ جناب لیڈی ڈاکٹر بیگم عبد الغفور کا حرم ہے، یہ رسالہ ایک تجربہ کار و واقف حال ہاتھون مین رہنے کی وجہ سے عام فہم، مفید، اور مطابق ضرورت مضامین کے لیے نمایان ہے، خوش قسمتی سے جناب لیڈی ڈاکٹر صاحبہ اور ان کے رفیق حیات دونون صاحب ذوق ہین، اسلئے پرچہ کو مفید عام بنانے کی پوری کوشش مین مصروف ہین، جناب عبد الغفور صاحب نے رسالہ کے آخر مین ڈاکٹر براؤن انجہانی کے ان خطبات کا ترجمہ دیا ہے جو انھون نے فٹز پٹرک خطبات (FITZ PATRICK LECTURE) سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء کے طور پر دیئے تھے اور جن پر معارف مین ایک مبسوط مضمون بھی شائع ہو چکا ہے، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی بری نہین، قیمت سالانہ تین روپیے ہے، اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے جو فائدہ ہوگا وہ غریب اور بیمار عورتون کے علاج پر صرف کیا جائے گا، پتہ ڈاکٹر بیگم عبد الغفور محلہ نکھان پلی بھیت،

سب سے کمسن زنانہ رسالہ عفت ہے جو صوبہ بہار کے ایک گاؤن گوڑگوانوان سے گذشتہ ماہ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے، عفت، اگرچہ ناتجربہ کار ہاتھون مین ہے، لیکن جس جوش، خلوص اور عزم و ارادہ کے ساتھ نکلا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے اس کی کامیابی کے ہم متوقع ہین، زیب النساء چھپرہ کی چند ماہ زندگی کے خاتمہ کے بعد عفت کا نکلنا صوبۂ بہار و بنگال کے لیے یقیناً ایک بڑی کمی کی طرف پہلا تکمیلی قدم ہے، اسکی مرتبہ جناب صالحہ خاتون صاحبہ ہین، قیمت سالانہ تین روپیے، پتہ منیجر عفت آستانہ گوڑگوانوان، ڈاکخانہ ٹھگول، (پٹنہ)

اسی سلسلہ مین انجمن خواتین دکن کے رسالہ کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا، بیگم صاحبہ مسٹر طیبان الحسن زبیر اسکی "اڈیٹرس" ہین، بیگم صاحبہ کا نام متعدد کتابون کی مصنفہ ہونے کے سبب سے تعلیم یافتہ خواتینِ ہند مین

خاص طور سے نمایان ہی، یورپ کے دورانِ مباحث مین اپنے طبقہ کے جذبات، مرتبہ اور حقوق کے متعلق
عام مجالس مین جس خوبی سے اظہار فرمایا اس سے اکثر اخبار بین اصحاب واقف ہونگے، ہم خوش ہین کہ بہار
کی ایک محترمہ خاتون، دکن مین اس عام شکایت کی جو بہار کی مسلم خواتین کے متعلق ہے، تلافی کر رہی ہین،
پتہ :- منیجر النساء، تالاب مانصاحب صغرا منزل، حیدرآباد دکن،

گذشتہ سال اردو کے متعدد رسالے نکلے اور ان مین سے اکثر رسائل پر جون کے نمبر مین تنقید کردیگئی تھی، عام
طور سے یہ تمام رسائل ایک ہی طرح کے ہین، اور اگر یہیل اس سال شائع ہونا شروع نہ ہوتا تو یہ سال اعلیٰ
رسائل کے لحاظ سے بالکل ہی خالی ہوتا، ان رسائل کے مقاصد مین وہی ہمہ گیری ہے، اور اگر ایک کا سرورق دوسرے
پر لگا دیا جائے تو کوئی فرق نہ ہو گا، البتہ جیسا کہ ہم نے ابتدا ہی مین بتایا ہے، ان مین سے متعدد رسائل صوبۂ
بمبئی اور ایک صوبہ برما سے نکلنے کی وجہ سے مستحقِ توجہ ہین، صوبہ بمبئی مین چند اردو دوست اصحابِ علم کی بدولت
اردو کی توسیع و ترویج کی عام کوشش ہو رہی ہے، اور وہان کا تعلیمی محکمہ بھی اس مین حصہ لے رہا ہے، عہد
ترک موالات مین خلافت وغیرہ کے متعلق جو لٹریچر بمبئی سے شائع ہوتا رہا، وہ چونکہ عموماً اردو ہی مین ہوتا تھا
اس لئے اردو کو بالواسطہ اس چیز نے بھی وہان قوت بخشی، "زبان" کاٹھیاوار کا پہلا علمی و ادبی ماہوار رسالہ
ہے، اس کے اڈیٹر عبدالرحمن صاحب خوشتر ہین، اردو دانانِ کاٹھیاوار کا یہ پہلا علمی قدم ہے، مضامین سے اعلیٰ
علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے، امید ہے کہ کاٹھیاوار اپنے شایانِ شان ترقی اس رسالہ کو بخشنے مین کامیاب ہوگا،
ضخامت ۴۰ صفحے سالانہ چندہ للعہ پتہ :- منیجر زبان، منگرول، (کاٹھیاوار)

دوسرا رسالہ خاص شہر بمبئی سے نکلتا ہے، "اقتباس" ۴۰ صفحات کا رسالہ ہے، جناب شبیر بدایونی
"آنریری اڈیٹر" ہین، مضامین تاریخی و ادبی ہوتے ہین، لیکن ان کا زیادہ تر حصہ ترجمہ ہوتا ہے، ایک
ثلث سے زیادہ اوراق وقفِ نظم ہین، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد بنی امیہ کو برا بھلا کہنا بھی ہو،
کیونکہ صرف ایک جولائی نمبر مین کامل ایک جزو اسی قسم کے تراجم پر وقف کیا گیا ہے، ایک عنوان ہے

"امیر معاویہ کے دربار مین" اور اس کے خلاف حق گو عورتون کے بیانات" حالانکہ یہ واقعات مولانا
حالی مرحوم نے اپنے ایک مضمون "حقوقِ خواتینِ اسلام" شائع شدہ معارف علی گڈھ مین آج سے تیس بتیس برس پہلے
لکھدیئے تھے، اسی طرح اقتباس کے دوسرے مضامین مین بھی اس قسم کی چیزین ملتی ہین، حق کے اظہار مین ایسا
اسلوبِ بیان اختیار کرنا مناسب نہین جو فائدہ کے بجائے مزید افتراق کا موجب بنے، سالانہ قیمت عیہ پتہ دفتر
اقتباس قادر بلڈنگ بمبئی ۸،

اسی تجارتی شہر سے تجارت نام ایک اور صحیفہ جناب قاضی محمد عطاء اللہ صاحب ندوی مالک حجازی
پریس کے زیر ادارت نکلنا شروع ہوا ہے، جس مین عام مضامین کے ساتھ بمبئی کی مناسبت سے تجارتی مضامین
ومعاملات اور خبرون کا خاص اہتمام ہے، قیمت پتہ :- منیجر تجارت بھنڈی بازار بمبئی ۹- بمبئی سے
ادبستان نام ایک ادبی رسالہ بھی نکلنا شروع ہوا ہے، "انجمن معین الادب" کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ ہے،
مضامین ادبی و تفریحی ہین، افسانے بھی دلچسپ ہین، انتخاب بھی برا نہین، نظم کا بھی حصہ ہے، کاش "ذوق سلیم" کو
اس سے زیادہ بلند تر اور سنجیدہ و متین بنانے کی امکانی کوشش کیجاتی، اس کے ساتھ ہر مہینہ کے پرچہ مین عام مذاق
کی تصاویر بھی ہوتی ہین، حجم ۴ جزو سالانہ قیمت للعہ پتہ دفتر ادبستان ۱۶۳ داور لین روڈ بمبئی ۴،

برما کے دور دراز صوبہ سے بھی اردو کی آواز سنائی دیتی ہے، جناب محمد عبدالغفار خان نے مانڈلے سے
ایک علمی و ادبی ماہوار قابلِ توجہ تحفہ شائع کرنا شروع کیا ہے، مضامین قابلِ شکایت نہین ہین، اور ہم کو
امید ہے کہ تحفہ نے اگر موجودہ معیار ہی قائم رکھ لیا تو برما مین کم ازکم احساسِ علم پیدا کرنے مین ضرور کامیاب
ہو جائے گا، رسالہ ۴ جزو کا ہی، برما کے لحاظ سے طباعت بھی بری نہین، اگرچہ ہماری آنکھین اس سے بہت
بہتر دیکھنے کی متمنی ہین، قیمت سالانہ للعہ پتہ :- منیجر تحفہ بی، روڈ، مانڈلے، برما،

حکومت برطانیہ کے دوسرے بڑے شہر کلکتہ کے افق مشرقی سے ایک درخشان آفتاب طلوع
ہونا شروع ہوا ہے، بنگال و بہار کی زمین اردو صحافت کے لیے جس قدر پرشور رہے، ان کو دیکھتے ہوئے،

اس رسالہ کے مفید مضامین، حسن ترتیب، دلچسپ افسانے اور علمی معلومات کا ذخیرہ لائق تحسین ہے، "ہمارے پانچ قومی شعراء" کا کشت زعفران، مضمون بہت ہی اچھا ہے، اور گو گمنام چھپا ہے، مگر "عطار" کی لب کشائی سے بے نیاز ہے، مشرقی ہندوستان کے اردو دان اصحاب سے ہم اسکی ہمت افزائی کی سفارش کرینگے، لکھائی چھپائی قابل شکایت نہیں، ہر ماہ متعدد سادہ اور رنگین تصاویر بھی ہوتی ہین، حجم ۷۶ صفحات قیمت عہ پتہ:- منیجر آفتاب نمبر ا بابو گنگا دہر لین، کلکتہ،

بنگال کے بعد صوبۂ بہار کے ضلع چھپرہ سے بابا خلیل احمد داس صاحب نے جو سنسکرت کے عالم ہین تبلیغی سلسلہ مین ایک ماہوار رسالہ مصلح شائع کرنا شروع کیا ہے، ہم کو اس کے صرف "نمونہ" کا پرچہ ملا ہے، اس مین یجروید کے بعض منترون کا ترجمہ اور دوسرے اختلافی مباحث پر مضامین ہین، جہانتک معلوم ہوتا ہے وہ اس کے ذریعہ ویدون کا اردو ترجمہ شائع کرنا چاہتے ہین، اگر ایک مستند ترجمہ ہو جائے تو بڑی بات ہو، سالانہ قیمت عہ پتہ:- سیوان ضلع چھپرہ،

گذشتہ ماہ سے دہلی سے الکامل نامی ایک رسالہ بھی شائع ہونا شروع ہوا، اب تک ہم کو اس کا صرف ایک نمبر ملا، متنوع مضامین کا مجموعہ ہے، ابو علی صاحب آزاد بہاری اس کے اڈیٹر ہین، سالانہ قیمت لعہ پتہ:- دفتر چشمۂ کامل دہلی،

"اسوۂ حسنہ" لاہور کا رسالہ اور خود اپنی زبان مین مذہبی اصلاحی، تبلیغی، معاشرتی مضامین کا دلچسپ مخزن ہے، چنانچہ ہر موضوع پر ایک دو صفحے ہوتے ہین، لکھائی چھپائی معمولی، ضخامت ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ پتہ:- منیجر اسوۂ حسنہ، مزنگ لاہور،

گذشتہ دو مہینون مین دو اردو کے رسالے بیدار اور الاکرام بھی نکلنا شروع ہوئے ہین، اول الذکر قصاب برادری کا وکیل اور موخر الذکر، مومن برادری کا حامی ہے، ان کے اب تک صرف دو نمبر موصول ہوئے ہین، دونون رسالے اپنی برادریون کی اصلاح و ترقی اور ضروریات کے مطابق مضامین شائع کرتے ہین

ہم پیشہ وار قومیت کے اسلام مین حامی نہین، اسلیے کہ اس سے ایک طرف اسلام کے اتحاد کا شیرازہ پراگندہ ہونے کا اور دوسری طرف ہندؤن کی طرح مسلمانون مین بھی ذات پات کے تعصبات کی بنیاد پڑنے کا اندیشہ ہے، ان دو باتون کے تحفظ اور بچاؤ کے ساتھ اگر یہ رسالے کامیابی حاصل کرین تو نہایت مبارک، بیدار بڑی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے، قیمت سالانہ صر، پتہ:- منیجر رسالہ بیدار جوالاپور ضلع سہارنپور، الاکرام پندرہ روزہ ہے اور ۸۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے، سالانہ عہ پتہ:- الاکرام سوہ سرائے ضلع پٹنہ،

حمایت اسلام لاہور، کا ماہوار رسالہ اب ہفتہ وار اخبار کی صورت مین بدل گیا ہے، اس مین زیادہ تر انجمن مذکور کے مقاصد ہی کے متعلق مضامین ہوتے ہین، اور ساتھ ہی اسلام اور دیگر مسائل اسلامی پر بھی تحریرین اور شذرات شائع ہوتے رہتے ہین، حمایت اسلام نہ صرف پنجاب کی بلکہ کل ہندوستان کی اسلامی انجمنون مین سب سے زیادہ عملی اور کامیاب ہے، اگر باہمی تخالف و نفاق سے اس کا دامن پاک ہوتا تو اور زیادہ اسکی ترقی کی امیدین تھین، جہان تک اخبار کا تعلق ہے اسکی پالیسی رواداری ہے، اور شخصی جھگڑون سے پاک ہے، اور خوش سلیقگی سے مرتب کیا جا رہا ہے، اقتباسات بھی دلچسپ ہوتے ہین، مذہبی رنگ غالب ہے، قیمت سالانہ عہ پتہ:- دفتر انجمن حمایت اسلام لاہور،

لکھنؤ کا النجم پہلے اخباری صورت مین تھا، اب کچھ دنون سے پندرہ روزہ رسالہ کی شکل مین بدل گیا ہے، اہلسنت کا واحد رسالہ ہے جو اہل تشیع کے دس پندرہ اخبارات و رسائل کے مقابل مین سینہ سپر رہتا ہے، مولانا عبد الشکور صاحب جو اسکے اڈیٹر ہین شیعہ و سنی کے اختلافی مسائل کے سوال و جواب و مناظرہ مین کافی دستگاہ رکھتے ہین اور جو چیز انکی قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ وہ جوابات مین عام مناظرین کی طرح کبھی اپنے دامن کو ابتذال اور سب و شتم سے آلودہ نہین کرتے، موصوف نے اہلسنت سے اپیل کی ہے کہ وہ کم از کم دو ہزار اسکے خریدار پیدا کرین تو یہ رسالہ اپنے خدمات پوری طرح بجا لائے، النجم مین صوری تغیر کے ساتھ ایک معنوی تغیر یہ بھی ہوا ہے کہ وہ اہل تشیع کے ساتھ آریہ سماجی لٹریچر کا بھی جواب دینے لگا ہے قیمت سالانہ للعہ، دفتر النجم لکھنؤ،

"ن"

مطبوعات جدیدہ

خلق عظیم، بعثت نبوی کی غایت مکارم اخلاق کی تکمیل تھی، اسلیے کتب احادیث صرف عبادات و معاملات کے ابواب کا مجموعہ نہین بلکہ وہ اخلاقی تعلیمات کا ایک گرانمایہ سرمایہ بھی ہین جنہین روح اسلام کی حقیقی جلوہ ریزی ہے، جناب مولوی میر ولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ایبٹ آباد کی یہ دینی و ملی خدمت مستحق صد آفرین ہے، کہ انھون نے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق کی صحیح تصویر "خلق عظیم" مین پیش کرکے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دنیا کے سامنے نمایان کیا ہے، "خلق عظیم" مین اخلاقیات کے ۸۴ ابواب قائم کئے گئے ہین، اور ہر باب کے ذیل مین اسکی مناسبت سے پہلے آیۂ کریمہ نقل کی ہے، پھر مختلف کتب احادیث سے صحیح حدیثین حوالہ کے ساتھ مع ترجمہ جمع کی ہین، اور جن احادیث کی تشریح کی ضرورت سمجھی انکی تشریح بھی کردی ہے، ضخامت ۱۵۱ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ اور قیمت عہ ہے، منیجر دار الاشاعت بادۂ ناب ایبٹ آباد کے پتہ سے مل سکتی ہے،

تاریخ السلف، جناب مولوی خواجہ سید عبد الباری صاحب معنی نے نہایت محنت اور کوشش اور جانفشانی سے حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدینؒ کے سوانح حیات "تاریخ السلف" کے نام سے مرتب کئے ہین، حضرت سلطان الہند کے حالات زندگی بہت سے تذکرون مین ہین اور ان کے علاوہ آپکے سوانح و حالات پر مستقل کتابین بھی لکھی گئی ہین، لیکن ان کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہین، اسلیے مولف تاریخ السلف نے کتاب کے ایک بڑے حصہ مین ان تذکرون اور سوانح عمریون مین سے ہر ایک پر علحدہ علحدہ ناقدانہ نظر ڈالی ہے، اور سب کے رطب و یابس کو سامنے رکھدینے کی کوشش کی ہے، پھر سوانح و حالات کا حصہ ہے، جسکی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ حضرت خواجہؒ کے مقدس سوانح کی بہت سی صحیح

تاریخین اور سنین دریافت کئے گئے ہین اور مختلف روایات مین باہم تطبیق یا ترجیح کی کوشش کیگئی ہے، ضخامت ۱۵۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، جناب مولف سے آستانۂ عالیہ اجمیر کے پتہ سے ملسکتی ہے،

بچون کا قاعدہ، جناب سجاد مرزا صاحب ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ نے چھوٹے بچون کی تعلیم کے لیے جدید اصول تعلیم کے مطابق یہ "بچون کا قاعدہ" مرتب کیا ہے جس سے امید ہے کہ بہت کم وقت مین بچے اردو پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرلین گے، رسالہ مین کل بائیس سبق ہین اور ہر سبق کی ابتدا مین اس کے طریقۂ تعلیم کے متعلق معلم کو ہدایتین دیگئی ہین، ان معنوی خوبیون کے ساتھ اس کے ظاہری محاسن یعنی کاغذ اور طباعت و کتابت کی خوشنمائی بھی بچون کے حسب حال ہے، دی حیدرآباد بک ڈپو چادر گھاٹ حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملسکتی ہے،

نقشۂ مقامات مقدسہ و عالم اسلام، جناب عبد الرحمن بن ابراہیم صاحب فقیتے والے نے مقامات مقدسہ اور موجودہ عالم اسلام کا ایک خوبصورت نقشہ مرتب کیا ہے، جس مین تمام عالم اسلام کو جدا جدا رنگ مین نمایان کرکے ان کے بری و بحری راستے مع ریلوے لائن وغیرہ کے نہایت وضاحت سے بتائے گئے ہین، یہ نقشہ ۳۰×۴۰ انچ کی تقطیع پر سفید اور عمدہ چکنے کاغذ پر بہترین لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہ پتہ:- مولوی شرف الدین الکتبی واولادہ تاجران کتب سمرا بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹،

تبصیر بجواب اشتہار تنویر، اہل تشیع آیۂ الیوم اکملت الخ کی شان نزول کے سلسلہ مین جو حدیث موضوع روایت کرتے ہین اس پر زیر تبصرہ رسالہ مین عالمانہ شان تحقیق سے بحث کیگئی ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحے، کاغذ اچھا اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، پتہ:- انجمن اہلحدیث سیالکوٹ،

بچون کی دیکھ بھال، جناب مجیب الدین صاحب ایل ایم پی نے ایک رسالہ مین یورپ کے جدید علم طب کی ہدایات کی روشنی مین بچون کی پرورش اور نگہداشت کے طریقے ان کے روز پیدایش سے

پانچ چھ برس کی عمر تک کے لیے بتائے ہین، اسی رسالہ کو "بچون کی دیکھ بھال" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۴۶ صفحون مین شائع کیا ہی، قیمت ۸؍

المصباح، علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی متوفی ۸۴۵ھ کا ایک رسالہ "تجرید التوحید" ہے، جس مین اسلام کے مسائلِ توحید کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے، جناب مولٰنا محمد صاحب بہاری نے اسی رسالہ کا اردو ترجمہ "المصباح" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف سلیس اور روان ہے، لیکن افسوس ہے کہ جناب مترجم نے رسالہ کے بعض مکرر مضامین حذف کر دیئے ہین جس سے اگرچہ نفس مطلب اور مفہوم مین کوئی کمی پیدا نہین ہوئی، لیکن اس سے اصل رسالہ ناقص رہ گیا ہے، ضخامت ۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۲؍ پتہ: منیجر صاحب کشکول بک ایجنسی ڈاکخانہ مہندو پٹنہ،

سیرۃ ازواج النبی حصہ اوّل، مولانا حکیم ابو البرکات عبد الرؤف صاحب داناپوری نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے مختصر سوانح حالات مرتب کرنا شروع کئے ہین جس کا پہلا حصہ حضرت ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے مختصر سوانحِ زندگی کے متعلق شائع ہوا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳؍ پتہ:- جناب عبد الرشید خانصاحب مالک کمالی پریس نمبر ۲/ا اسمٰعیل مدرلین کلکتہ،

نفحۂ عنبریہ، جناب مولانا عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ نے اس نام سے آنحضرت صلعم کے احوال مبارکہ مین ایک مختصر کتاب لکھی ہے، جسمین اختصار کے ساتھ تمام حالات پیدائش سے وفات تک مع غزوات کے سب آ گئے ہین، یہ مختصر رسالہ اس لائق ہے کہ عورتون اور بچون اور عام مسلمانون کے مطالعہ مین رہے، قیمت غالباً ۱؍ پتہ: دفتر النجم پاٹانالہ لکھنؤ

وید کیا چیز ہے، پنڈت سیتہ دیو جی کا یہ رسالہ بھی ویدک تحقیقات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہی، اس مین وید کے لفظ کی کیا تعریف ہی؟ وید کے لفظ کی کیا حقیقت ہی؟ ویدون کے بنانے والے کون ہین؟ وید کہان سے نکلے؟ وید کیون بنائے گئے؟ وید کیا فائدہ؟ ویدک دیوتا کہان رہتے ہین؟ وغیرہ سوالات کے جوابات ہندوون کی مستند کتابون سے دیئے گئے ہین اور اختلافات کا اظہار دکھایا گیا ہے، قیمت درج نہین، پتہ:- دفتر دھرم دیواکر، کاشی بنارس،

مجلد نوزدہم	ماہ شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۷ء	عدد دوم

مضامین